ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
جنوری ۱۹۸۴
ڈاک ٹکٹ البم

ٹیلے فون: 616001 سے 616005 (۵ لائنیں)

ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال

ربیع الآخر — ۱۴۰۴ ہجری
جنوری — ۱۹۸۴ عیسوی
جلد — ۳۲
شمارہ — ۱

قیمت : ۳/۰۰ رپے
سالانہ: ۳۰/۰۰ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۵۰ رُپے

پتا: ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ
ناظم آباد۔ کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرّت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا کیا ہے

قرآن مجید، کی آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

جو نونہال ذہین ہوتے ہیں وہ دوسروں کے مقابلے میں جلدی سبق یاد کر لیتے ہیں۔ جو کچھ پڑھتے ہیں وہ اُن کی سمجھ میں اچھی طرح آ جاتا ہے، لیکن ایک نکتہ نونہال ہی نہیں بہت سے بڑے بھی فراموش کر دیتے ہیں۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ کام یابی کے لیے ذہانت سے زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ محنت کے لیے شوق اور دل چسپی ضروری ہے۔ شوق ہی آدمی سے محنت کراتا ہے۔ شکار کے شوقین میلوں دوڑتے ہیں، دن دن بھر بیٹھے رہتے ہیں، راتوں کی نیند حرام کرتے ہیں، مگر تھکتے نہیں۔ وجہ کیا ہے؟ صرف یہ کہ شکار کرنا اُن کو اچھا لگتا ہے۔ وہ اپنے شکار کا گوشت مزے لے لے کر کھاتے ہیں۔ یہ صِرف شوق کی بات ہے۔ اِسی طرح جس چیز کا بھی شوق ہو اس کو حاصل کرنے کے لیے آدمی محنت کرتا ہے اور محنتی آدمی کام یاب ہوتا ہے۔ یہی حال پڑھنے لکھنے کا بھی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے ذہین بچّے امتحان میں کام یاب نہیں ہوتے یا اچھے نمبر نہیں لاتے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ ذہین ہونے کے باوجود اپنا ذہن استعمال نہیں کرتے۔ ذہن استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کتاب سے یا اپنے مضمون سے دل چسپی پیدا کریں، یکسوئی سے بیٹھیں اور محنت سے پڑھیں۔ ان کا ذہن اِدھر اُدھر نہ بھٹکے۔ جب وہ اپنا ذہن پڑھنے میں نہیں لگائیں گے تو ذہانت کیا کام آئے گی۔ محنتی بچّے اپنی محنت اور توجہ سے ذہانت کی کمی بھی پوری کر لیتے ہیں۔ پرانی بات ہے اور بڑی عمدہ بات ہے کہ کام یابی ایک حصّہ ذہانت اور نو حصّے محنت سے حاصل ہوتی ہے۔

تمھارا دوست اور ہمدرد
حکیم محمد سعید

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

نیا سال آگیا! مبارک ہو!

ہر نیا سال بلکہ ہر نیا لمحہ انسان کو سوچنے، غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

انسان نے بہت ترقی کی ہے۔ انسان سمندروں کی گہرائیوں میں اُتر گیا ہے۔ انسان زمین کی وسعتوں میں پھیل گیا ہے۔ انسان آسمان کی بلندیوں پر چڑھ گیا ہے۔ انسان دوسری دنیاؤں کی تلاش میں چاند تک پہنچ گیا ہے۔ کوئی دن جاتے ہیں کہ انسان دوسرے سیّاروں پر بھی قدم جمادے گا۔ یہ سب کیسے ممکن ہوا۔ سیدھا سا جواب ہے کہ علم کی بدولت۔ علم کی ایک قسم سائنس بھی ہے۔ قدرت کے مظاہر کا مطالعہ سائنس کہلاتا ہے۔ کیا، کیوں اور کیسے کے جواب میں جو معلومات حاصل ہوتی ہیں اُن کو جب ترتیب دیا جاتا ہے تو یہ باترتیب معلومات سائنس کہلاتی ہیں۔ یہ دور سائنس کا دَور ہے۔ اس میں زندہ رہنے کے لیے سائنس میں زیادہ سے زیادہ ترقی کی ضرورت ہے۔ سائنس کے میدان میں جو قوم جتنی آگے بڑھتی ہے وہ اتنی ہی ترقی کرتی ہے۔ پاکستان کو بھی ترقی کرنی ہے۔ پاکستان کو بھی سائنس جاننے والوں یعنی سائنس دانوں کی بہت ضرورت ہے۔ سائنس داں ہمارے بہت سے مسئلے حل کر سکتے ہیں، لیکن سائنس صرف کتابیں پڑھ لینے اور امتحان پاس کرنے سے نہیں آجاتی۔ غور کرنے، سوچنے، تلاش کرنے سے آتی ہے۔ دنیا میں جتنے بڑے بڑے سائنس داں ہوئے ہیں انھوں نے غور و فکر کر کے ہی نئی نئی باتیں دریافت کی ہیں۔ اگر دماغ کو کُھلا رکھا جائے، جستجو پیدا کی جائے اور جو بات سمجھ میں نہ آرہی ہو اس پر غور کیا جائے تو قدرت کے بہت سے نئے بھید معلوم ہو جاتے ہیں، نئی نئی دریافتیں اور ایجادیں وجود میں آتی ہیں۔ جو نونہال سائنس پڑھتے ہیں اُن میں اگر سچّا شوق ہو تو وہ آگے چل کر بڑے سائنس داں بن سکتے ہیں اور اپنے ملک کے لیے بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ شوق، جستجو اور محنت ـــ یہ تین چیزیں جس نونہال میں ہوں گی وہ سائنس میں بڑا نام پیدا کرے گا اور انسانوں کی سچّی خدمت کرے گا۔

آپ کے ساتھ ہمدرد نونہال کی عمر بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ آپ کو تفریح پہنچاتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ آپ کی معلومات میں اضافے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ ہماری ہر سال ہی نہیں ہر مہینے بلکہ ہر دن یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہمدرد نونہال آپ کو پہلے سے زیادہ خوشیاں بھی دے اور ترقی کے راستے بھی بتائے۔ نئے سال میں ہم نئے عزم کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں۔ خدا کرے یہ سال ہمارے پاکستان کے لیے مبارک ثابت ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رض

گفت گو میں اختصار سے کام لو، کلام اتنا ہی مفید ہوتا ہے جتنا آسانی سے سُنا جا سکے۔ طویل کلامی گفت گو کا سلسلہ ذہنوں سے ضائع کر دیتی ہے۔

حضرت عثمان رض

حیا کے ساتھ تمام نیکیاں اور بے حیائی کے ساتھ تمام برائیاں وابستہ ہیں۔ مرسلہ: حمیرا شائق، حیدر آباد

حضرت علی رض

ہمارا حُسن و جمال ان کپڑوں سے نہیں جو ہم زیب تن کرتے ہیں، ہمارا اصل حسن و جمال علم و شرافت سے ہے۔ مرسلہ: قمر حیات، تربیلا ٹاؤن شپ

حضرت امام جعفر صادق رض

کسی نیکی کو معمولی خیال کر کے ترک نہ کرو، ممکن ہے وہی خدا کی خوشنودی کا باعث ہو۔

مرسلہ: عبدالقادر میمن، حیدر آباد

حضرت مجدّد الف ثانی رح

اچھا حاکم وہی ہے جو اپنی بُرائی خاموشی سے سنتا رہے، اگر وہ ٹھیک ہے تو تلافی کرے اور اگر غلط ہے تو بُرائی کرنے والے کو سزا دے۔ مرسلہ: عدنان جہانگیر شیخ، لاڑکانہ

سقراط

تمھارا دشمن بھی تم سے مشورہ لے تو اسے بالکل صحیح مشورہ دو، کیوں کہ جب اس نے تم سے مشورہ طلب کیا تو وہ تمھارا دشمن نہ رہا، دوست بن گیا۔

مرسلہ: صباحت افروز، حیدر آباد

افلاطون

سب سے بڑی فتح اپنے آپ کو فتح کرنا ہے۔

مرسلہ: معصومہ ناز، کراچی

کنفیوشش

جس نے علم تو حاصل کر لیا، مگر سوچ بچار کی عادت نہیں ڈالی اس کی ساری محنت ضائع ہو گئی۔

مرسلہ: ایم مہر زمان عاصی، چشمہ بیراج

فرانسس بیکن

پرانی لکڑی جلنے میں، پرانے دوست بھروسے میں اور پرانے ادیب پڑھنے میں بہترین ہیں۔

مرسلہ: انیلا زاہد، سکھر

حکیم محمد سعید

اختصار ذہانت کی روح ہے۔

مرسلہ: منظفر حسین، کوٹری (سندھ)

شعروں میں پھل

شان الحق حقی

پچھلی بار ہم نے آپ کو شعروں میں مٹھائیاں چھپا کر پیش کی تھیں۔ لیجیے اب کے شعروں میں کچھ پھل حاضر ہیں۔ تلاش کیجیے۔ حل آخر میں درج ہے۔

(۱)

جو حرص اور لالچ کے بن جی رہا ہے — بڑے چین سے مطمئن جی رہا ہے

(۲)

شوق، محنت، صبر سے بنتے ہیں کام — بخت تو بس اِک خیالی چیز ہے

(۳)

آدمی محنت پہ گر آمادہ ہو — کون سی مشکل ہے جو آساں نہ ہو

(۴)

کرنوں میں تھے سات ہی رنگ اور دیکھیے پھولوں نے — کیسا کیا ہے ایک سے ایک سہانا رنگ ایجاد

(۵)

عاجزی اچھی ہے انساں کے لیے — خاکساری آتی ہے سب کو پسند
خود سری کرنے کو کہتے ہیں انا — اور نہیں آتی انا رب کو پسند

(۶)

پہلے پنچھی کو نکالا جال سے اور پھر بازو کسے رومال سے

(۷)

مہک ہے علم کی عطرِ گلاب سے بڑھ کر نہیں ہے دوست جہاں میں کتاب سے بڑھ کر

(۸)

ہوشیاری ہو تو دشمن یار ہو سر سے جوڑے کام وہ سردار ہو

(۹)

شادابِ گلاب کی باڑی کو سونگھے جب خر، لوز ہر لگے کانٹوں میں تھوتھنی کیا مارے، کیسا گلِ تر، لو زہر لگے

(۱۰)

ننگی ہوئیں شاخیں ہری پتے جھڑے رونق گئی کیسی خزاں نے دیکھیے گلشن پہ جھاڑو پھیر دی

(۱۱)

بڑی نادان ہے ننھی جمیلہ لٹی کو کہہ رہی ہے گوند نیلا

(۱۲)

بول مت بول بڑا ہرگز اگر مانا نہ جائے وہ کمال اور وہ ہنر ہی کیا جو پہچانا نہ جائے

(۱۳)

ننھا رو رو کر اُٹھا لے سر پہ گھر اور نہ ہو آنکھوں میں پانی بوند بھر

(۱۴)

بُری بات ہے دِل دکھانا کسی کا یہ شیوہ نہیں ہے شریف آدمی کا

حل
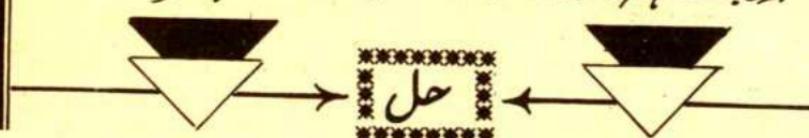
(۱) انجیر (۲) لیچی (۳) آم (۴) نارنگی (۵) انار (۶) کیرو (۷) سیب (۸) سردا (۹) خربوزہ اور تربوز (۱۰) آڑو (۱۱) گوندنی (۱۲) گرما (۱۳) نیبو (۱۴) شریفا۔

ڈاک ٹکٹ جمع کرنا۔ ایک مفید مشغلہ

دردانہ مُنیر

ڈاک کے موجودہ نظام کا باقاعدہ آغاز اگرچہ سترھویں صدی میں ہوا، لیکن اس سے پہلے بھی لوگوں کے درمیان خط و کتابت اور پیغام رسانی ہوتی تھی۔ کچھ لوگوں نے یہ انتظام نجی طور پر کر رکھا تھا۔ بادشاہ اپنی ڈاک برق رفتار گھوڑوں کے ذریعہ سے روانہ کرتے تھے۔ زمانہ وسطیٰ کے یورپ میں خط اور پیغام پہنچانے کا کام راہبوں (عیسائی مذہبی لوگ) کے سپرد ہوتا تھا۔ خطوط پہنچانے کا کام کبوتروں سے لیا جاتا تھا۔ کبوتروں کو اس کام کے لیے سدھایا جاتا تھا۔ اس کے پیروں میں خط باندھ کر اُڑا دیا جاتا تھا اور وہ خط کو اس مقام تک پہنچا دیا کرتا تھا۔ ملکہ وکٹوریا کے راج میں یہ طے کیا گیا تھا کہ جس شخص کے گھر کوئی خط آئے وہی ڈاک کا خرچ برداشت کرے۔ اسی پر عمل ہونے لگا، لیکن ایک بڑھیا نے اپنے بیٹے سے یہ طے کر لیا کہ اگر خیریت ہو تو لفافے میں کچھ نہیں لکھنا اور خالی سادہ صفحہ لفافے میں رکھ کر بھیج دیا کرنا۔ اس کا بیٹا ایسا ہی کیا کرتا تھا۔ جب ڈاکیا لفافہ لے کر آتا تو بڑھیا ہنسنے لگتی تھی اور کہتی کہ مجھ سے کس بات کے پیسے لے رہے ہو، یہ لفافہ تو بالکل سادہ ہے اور پھاڑ کر دکھا دیتی تھی۔ اور لوگ بھی یہی حرکت کرنے لگے۔ اس نقصان سے بچنے کے لیے یہ طے کیا گیا کہ خط بھیجنے والا ہی ڈاک کا خرچ اُٹھائے۔ کچھ دن ڈاک کا نظام اسی طرح چلتا رہا۔ پھر نئی نئی تبدیلیاں ہوتی رہیں اور آخر کار ترقی کی موجودہ منزل آگئی اور دنیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ ۶۔ مئی ۱۸۴۰ء کو لندن سے باضابطہ جاری ہوا۔ ایک ٹکٹ کالے رنگ کا تھا جس کی قیمت ایک پنس تھی۔ ایک نیلے رنگ کا تھا۔ اس کی قیمت دو پنس تھی۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے دنیا کے تقریباً تمام ملکوں نے اس نظام کو اپنایا۔

برصغیر پاک و ہند میں ڈاک کا پہلا ٹکٹ یکم جولائی ۱۸۵۲ء کو گورنر سندھ نے اضلاع کے لیے جاری کیا۔ اس کی مالیت ڈیڑھ آنا تھی۔ اس کی شکل گول اور رنگ سرخ تھا، اور

میسرز ٹامس ڈی لارڈ اینڈ کمپنی لندن کی طرف سے چھاپا گیا۔ یہ برّاعظم ایشیا کا سب سے پہلا ڈاک ٹکٹ تھا۔ اب ڈاک کے ٹکٹ عام طور پر جاری ہونے شروع ہو گئے اور ہر ملک خوب صورت اور رنگین ٹکٹ جاری کرنے لگا۔ جب ٹکٹ عام ہو گئے اور کثرت سے خطوں کے ذریعے سے لوگوں تک پہنچنے لگے تو ان میں ٹکٹ جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ ابتدا میں تو یہ مشغلہ بچّوں تک ہی محدود تھا، لیکن آگے چل کر بڑوں نے بھی اس طرف توجہ کی اور یہ شوق بڑھتا ہی چلا گیا۔ آپس میں مقابلے ہونے لگے۔ جس کے پاس زیادہ تعداد میں ٹکٹ ہوتے اسے اوّل انعام دیا جاتا۔

پہلے لوگوں میں اپنے ہی ملک کے ٹکٹ جمع کرنے کا شوق تھا، پھر انھوں نے دوسرے ملکوں کے بھی ٹکٹ جمع کرنا شروع کر دیے۔ اس کے بعد یہ کوشش کی جانے لگی کہ ایسے ٹکٹ جمع ہوں جو مختلف زمانوں سے تعلق رکھتے ہوں۔ ٹکٹ جمع کرنے والے شائقین ایک دوسرے کا پتا لگا کر ایک دوسرے سے خط و کتابت کرنے لگے۔ ان میں ٹکٹوں کی خرید و فروخت اور تبادلے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اب بھی بڑے بڑے مقابلے ہوتے ہیں۔ لوگ دُور دُور سے اپنا ٹکٹوں کا ذخیرہ مقابلے میں لاتے ہیں۔ جتنا پرانا ٹکٹ ہوتا ہے وہ اُسی قدر اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اگر کسی ٹکٹ کی چھپائی میں کوئی خامی یا غلطی رہ گئی ہو تو وہ بھی بہت نایاب سمجھا جاتا ہے اور اس کی بڑی قیمت ہوتی ہے۔ اب ٹکٹوں کا جمع کرنا، بیچنا ایک کاروبار بن گیا ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں ٹکٹوں کے کیٹلاگ یعنی فہرستیں چھاپی جاتی ہیں۔ ان کو دیکھ کر لوگ ٹکٹ منگواتے ہیں۔ پاکستان بھی اُن ملکوں میں شامل ہے جس کے ٹکٹ بہت خوب صورت مانے جاتے ہیں۔

ویسے عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ گھروں اور دفتروں پر ڈاک آتی ہے اور لفافے کو ردّی کی ٹوکری کی نذر کر دیا جاتا ہے۔ اس کے لفافے پر لگے ہوئے ٹکٹ پر کسی کی نظر نہیں جاتی، لیکن یہ حال ہر گھر یا ہر دفتر کا نہیں ہے بلکہ کچھ لوگوں کے نزدیک ایک معمولی سے معمولی ٹکٹ بھی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ وہ لوگ اس کو حاصل کرنے کے لیے کثیر رقم بھی خرچ کرنے سے گریز نہیں کرتے اور اُن کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ کسی بھی ملک میں چھپنے والا ہر نیا ٹکٹ ان کے پاس موجود ہو۔ ایسے ہی شائقین میں ہمارے پاکستان کی ایک
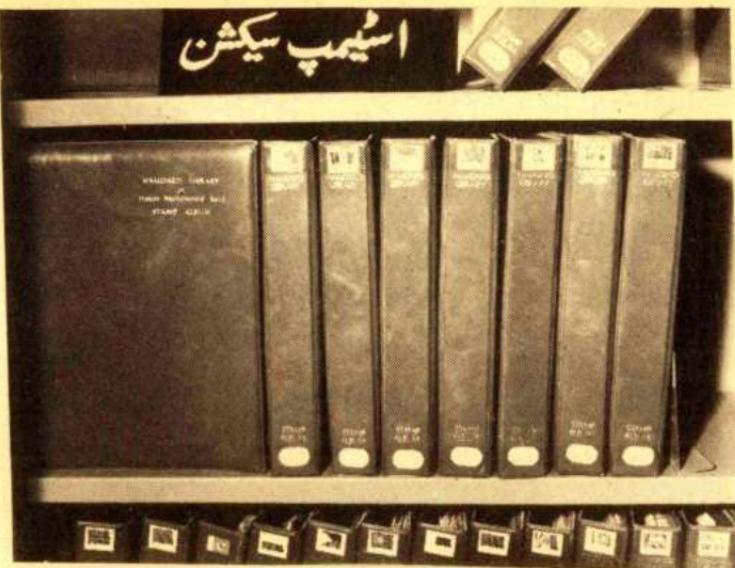
مشہور شخصیت بھی شامل ہے۔ یہ شخصیت ایک دانش وَر، مُدبّر، طبیب، مصنّف اور سیّاح کی حیثیت سے کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ نونہال سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ ان کی پسندیدہ شخصیت سوائے محترم حکیم محمد سعید صاحب کے اور کس کی ہو سکتی ہے۔

موصوف کا قائم کیا ہوا ایک بہت بڑا کتب خانہ ہے جو "کتب خانہ ہمدرد" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتب خانے میں کوئی پچاس ہزار قیمتی، معلوماتی اور اچھی اچھی کتابیں، بے شمار رسائل، اخبارات، اخباری تراشے، مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمے، بہت سی نادر قلمی کتابیں اور ہزاروں تصاویر ہیں۔

ان کے علاوہ حکیم صاحب نے چند سال ہوئے ڈاک کے ٹکٹوں کا ایک شعبہ بھی قائم کیا ہے۔ لائبریری میں عام لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ آکر مطالعہ کریں۔ چناں چہ لوگ دُور دُور سے آتے ہیں اور مطالعہ و تحقیق کرتے ہیں۔

حکیم صاحب کا تعلق ایک طبیب اور دانش وَر ہونے کی حیثیت سے تمام ملکوں سے رہتا ہے اور روزانہ بڑی تعداد میں خطوط موصول ہوتے ہیں۔ ان پر رنگ برنگے اور خوب صورت ٹکٹ چسپاں ہوتے ہیں۔ محترم حکیم صاحب وہ تمام لفافے کتب خانے میں بھیج دیتے ہیں،

اور یہ تمام لفافے اس شعبے کی ایک اسسٹنٹ لائبریرین کے پاس آجاتے ہیں۔ ان لفافوں کے ٹکٹ الگ الگ کیے جاتے ہیں، پھر ان کو خشک کیا جاتا ہے۔ خشک کرنے کے لیے ہمدرد لائبریری میں تحفظِ کتب کا شعبہ بھی قائم ہے، جس میں ایک ایسی میز بھی ہے جس کے شیشے کے نیچے ایک بڑا بلب لگا ہوا ہے۔ اس بلب کی گرمی شیشے کو گرم رکھتی ہے۔ اِن پر ان ٹکٹوں کو خشک کیا جاتا ہے، پھر ان کو ملکوں کے لحاظ سے الگ الگ کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہر ملک کا ٹکٹ اس مُلک کے البم میں لگا دیا جاتا ہے۔

اس شعبے میں اب تک ۹۸ ملکوں کے الگ الگ البم تیار کیے جا چکے ہیں۔ ان ملکوں کے نام یہ ہیں:

آسٹریا، اوسٹریلیا، آئرلینڈ، اٹلی، ارجنٹینا، اردن، اسپین، اسکاٹ لینڈ، الجزائر، السلواڈور، افغانستان، انڈونیشیا، انگولا، ایران، ایکواڈور، ایتھوپیا (حبشہ)، باربیدوس، بحرین، برازیل، برطانیہ، برما، برونڈی، برونی، بلغاریہ، بنگلہ دیش، بیلجیم، پاکستان، پرتگال، پولینڈ، ترکی، تنزانیہ، تھائی لینڈ، تونس، ٹرینڈاڈ اینڈ ٹوبیگو، ٹونگا، جاپان، جنوبی افریقہ، جنوبی کوریا، چیکوسلاوکیہ، چین، ڈنمارک، روس، رومانیہ، ریاست ہائے متحدہ امریکا، زائر، زمبیا، سری لنکا، سعودی عرب، سنگاپور، سوڈان، سویڈن، سوئزرلینڈ، سینیگال، شارجہ، شام، شمالی کوریا، عجمان، عراق، عُمان، عوامی جمہوریہ جرمنی، عوامی جمہوریہ یمن، فرانس، فلپائنز، فن لینڈ، قطر، کویت، کیمرون، کینڈا، کینیا، گرینیاڈا، گنی، گھانا، لائبیریا، لبنان، لیبیا، مالدیپ، متحدہ عرب امارات، مراکش، مصر، ملاوی، ملائشیا، مناکو، منگولیا، موزمبیق، میکسیکو، ناروے، نائجیریا، نیپال، نیدرلینڈ (ہالینڈ)، نیوزی لینڈ، وفاقی جمہوریہ جرمنی، ہانگ کانگ، ہندستان، ہنگری، یمن، عرب جمہوریہ، یوروگوائے، یوگوسلاویہ، یونان۔

یہ تمام البم الماریوں میں حروفِ تہجی کی ترتیب سے رکھے گئے ہیں۔ ہر مُلک کے البم پر اس ملک کا خوب صورت رنگین اور جاذب نظر جھنڈا لگا دیا گیا ہے۔ البم کے اوپر "ہمدرد لائبریری اوف حکیم محمد سعید، اسٹامپ البم" سنہری حروف میں تحریر ہے۔

بعض ممالک اپنے ملک کا نام اپنے ٹکٹ پر نہیں تحریر کرتے بلکہ اپنی انفرادیت قائم رکھنے کے لیے کچھ دوسرے الفاظ تحریر کرتے ہیں مثلاً برطانیہ واحد ملک ہے جو اپنے ملک

کا نام تحریر نہیں کرتا بلکہ اپنی ملکہ یا اپنے بادشاہ کی تصویر بنا دیتا ہے۔ بعض ملک اپنا نام مخصوص انداز میں لکھتے ہیں مثلاً آسٹریا کے ٹکٹ پر REPUBLIKOSTERREICH ، عوامی جمہوریہ جرمنی کے ٹکٹ پر DDR ، سویڈن کے ٹکٹ پر SVERIGE ، وفاقی جمہوریہ جرمنی کے ٹکٹ پر DEUTSCHE BUNDESPOST ، ہنگری کے ٹکٹ پر MAGYAR POSTA ، جاپان کے ٹکٹ پر NIPPON ، پولینڈ کے ٹکٹ پر POLSKA ، روس کے ٹکٹ پر CCCP ، سوئٹزرلینڈ کے ٹکٹ پر HELVETIA ، لکھا ہوتا ہے۔

کتب خانۂ ہمدرد میں محترم حکیم محمد سعید صاحب کی ہدایت کے مطابق پاکستان کے ٹکٹ کے البم کے ساتھ فرسٹ ڈے کور بھی ترتیب سے رکھے گئے ہیں۔ پاکستان میں جب کوئی نیا ٹکٹ جاری ہوتا ہے تو اس کے ساتھ "فرسٹ ڈے کور" بھی شائع ہوتا ہے۔ مثلاً ۶ نومبر ۱۹۶۹ء کو ہزار سالہ جشنِ ابن الہیثم منایا گیا تو محکمۂ ڈاک نے بیس پیسے کا یادگاری ٹکٹ جاری کیا۔ نونہالوں کو معلوم ہوگا ابن الہیثم کا جشن بھی ہمدرد فاؤنڈیشن نے منایا تھا۔ ۹۔ نومبر ۱۹۷۷ء کو علامہ اقبال کا سو سالہ جشنِ ولادت پر بیس پیسے کا ٹکٹ جاری ہوا۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۷۶ء کو قائدِ اعظم کے سو سالہ جشنِ ولادت کے موقع پر دس رُپے کا ٹکٹ جاری کیا گیا۔ اسی طرح سے مختلف موقعوں پر یادگاری ٹکٹ جاری کیے جاتے ہیں۔ ان کو بھی تاریخ وار ترتیب دے کر فائل کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک فولڈر بھی شائع ہوتا ہے جس پر اس کی پوری تفصیل درج ہوتی ہے۔ مثلاً ٹکٹ کا رنگ، سائز، ڈیزائن، تعداد، کس ادارے نے کس تاریخ کو جاری کیا۔ یہ فولڈر بھی کتب خانۂ ہمدرد میں محفوظ کیا جاتا ہے تاکہ اگر کسی کو ٹکٹ سے متعلق معلومات درکار ہوں تو وہ فائدہ اُٹھا سکے۔

اس شعبے کو اچھا سے اچھا بنانے کی جانب پوری توجہ دی جا رہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ جناب حکیم محمد سعید کی دل چسپی اسی طرح جاری رہی تو ایک دن کتب خانۂ ہمدرد کا شعبۂ ڈاک ٹکٹ اپنی مثال آپ ہوگا۔

ٹکٹ جمع کرنا ایک دل چسپ مشغلہ ہے۔ اسی کے ساتھ یہ فائدہ بخش بھی ہے۔ ڈاک ٹکٹوں کے مطالعے سے ہر ملک کی تاریخ، تہذیب اور اہم شخصیات اور خاص پیداوار کا اندازہ ہوتا ہے۔

فیض لودھیانوی

اے نئے سال بتا تجھ میں نیا پن کیا ہے؟
ہر طرف خلق نے کیوں شور مچا رکھا ہے

روشنی دن کی وہی تاروں بھری رات وہی
آج بھی ہم کو نظر آتی ہے ہر بات وہی

آسماں بدلا ہے افسوس نہ بدلی ہے زمیں
ایک ہندسے کا بدلنا کوئی جدّت تو نہیں

اگلے برسوں کی طرح ہوں گے قرینے تیرے
کس کو معلوم نہیں بارہ مہینے تیرے

اوّلیں تین مہینوں میں پڑے گی سردی
اور اپریل مئی جون میں ہوگی گرمی

تیرا سَن دہر میں کچھ کھوئے گا کچھ پائے گا
اپنی معیاد بسر کر کے چلا جائے گا

تُو نیا ہے تو دکھا صبح نئی شام نئی
ورنہ اِن آنکھوں نے دیکھے ہیں نئے سال کئی

بے سبب دیتے ہیں کیوں لوگ مبارکبادیں
غالباً بھول گئے وقت کی کڑوی یادیں

تیری آمد سے گھٹی عمر جہاں میں سب کی
فیض نے لکھی ہے یہ نظم نرالے ڈھب کی

گھریلو چٹکلے

سید رشید الدین احمد

★ بجلی کے مُلک گیر بُحران نے ہر گھر میں موم بتّی کے استعمال کو ضروری بنادیا ہے۔ اگر آپ بھی موم بتیاں استعمال کر رہی ہیں تو دیر تک بہتر روشنی کے لیے انھیں اپنے ریفریجریٹر کے فریزر میں رکھ دیجیے۔ اس طرح چند گھنٹے رکھی ہوئی موم بتّیاں دیر تک جلتی ہیں۔ بہت کم موم ضائع ہوتا ہے اور شعلہ یکساں رہتا ہے۔

★ آج کل گھروں میں طرح طرح کی سنگِ مرمر کی آرائشی چیزیں استعمال ہوتی ہیں۔ ان کی صفائی کے لیے نیم گرم پانی میں چند قطرے امونیا کے مِلا کر استعمال کیجیے۔

★ جس پانی میں انڈے اُبالے گئے ہوں اُسے ٹھنڈا کر کے پودوں کو دینے سے وہ خوب بڑھتے ہیں، کیوں کہ اس پانی میں مفید نمک شامل ہو جاتے ہیں۔

★ املی کے بے کار پھوک اور نچوڑے ہوئے لیموں کے چھلکوں کو بے کار سمجھ کر نہ پھینکیے۔ ان میں تھوڑا سا نمک ملا کر تانبے اور پیتل کے برتنوں کو رگڑنے سے خوب چمک اُٹھیں گے۔

★ بے کار چائے کی پتّی کو وارنش والے فرنیچر پر رگڑنے سے ان کی چمک بڑھ جاتی ہے۔ اس پتّی کو گلاب کے گملوں کی مٹّی میں شامل کرنے سے گلاب بھی خوش رنگ نکلتے ہیں۔

★ اگر ڈاک کے ٹکٹ آپس میں چپک گئے ہوں تو انھیں فریزر میں رکھ دیجیے۔ تھوڑی دیر میں الگ ہو جائیں گے اور اس کا گوند بھی خراب نہیں ہو گا۔

★ مکّھی اور پتنگے پر ہیئر اسپرے کے چھڑکنے سے ان کے پَر جم جاتے ہیں اور وہ اُڑ نہیں سکتے۔

★ اگر کپڑوں پر خون کا دھبّا لگ گیا ہو تو انھیں گرم پانی میں امونیا کے چند قطرے ملا کر ۱۵۔ ۲۰ منٹ تک ڈبو رکھیں اور پھر رگڑ کر صاف کر لیں۔

★ جب خوب سردی پڑ رہی ہو تو چائے دَم دیتے وقت چائے دانی میں دار چینی کا ایک ٹکڑا ڈال دیں۔ یہ چائے خوش بُو دار بھی ہو گی اور سردی سے بچانے کے علاوہ گلے کے لیے بھی مفید ہو گی۔

مُرغی کی چار ٹانگیں

یوسف ناظم

مرغی ہمیں بے حد پسند ہے، تمھیں بھی پسند ہو گی، لیکن ہمیں ذرا زیادہ پسند ہے، چاہے وہ زندہ ہو یا بے جان۔ بے جان سے مطلب یہ کہ دسترخوان پر ہو۔ مرغی کی بہار تو دسترخوان پر دیکھنی چاہیے۔ پک پکا کر بھی مرغی ہی دکھائی دیتی ہے۔ اس میں بس ایک ہی خرابی ہوتی ہے وہ یہ کہ اس کی صرف دو ہی ٹانگیں ہوتی ہیں۔ اگر قدرت اسے دو کی جگہ چار ٹانگیں دے دیتی تو دنیا کا کوئی کام تو نہیں رُک جاتا تھا، نہ قدرت کے کارخانے میں کوئی کمی واقع ہو سکتی تھی۔ دو ٹانگوں کی بات ہی کیا تھی۔ دسترخوان پر تو مزا آتا ہی، لیکن خود مرغی بھی ان ٹانگوں سے کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل کرتی ہی۔ مرغی کے لیے چار ٹانگوں کی سفارش ہم اس لیے بھی کر رہے ہیں کہ بے چاری کتنا کام کرتی ہے۔ جب دیکھو مصروف، جب دیکھو کسی نہ کسی کام میں جُتی ہوئی ہے۔ دن رات گھریلو کام کرتی رہتی ہے۔ روزانہ مقررہ وقت پر انڈا دیتی ہے۔ انڈا دینے کا وقت اس نے خود مقرر کیا ہے۔ صبح ناشتے کے وقت وہ انڈا نہیں دیتی۔ سمجھ دار ہے صبح دے گی تو اسے آپ کب ڈھونڈیں گے اور کب اس کا آملیٹ بنائیں گے۔ اس لیے اس نے دن کا وقت ڈھونڈا ہے۔ ٹھیک بھی ہے۔ سب لوگ دن میں کام کرتے ہیں۔ یہ بھی اپنا کام دن میں کرتی ہے۔ انڈا وہ چھُپ کر دیتی ہے۔ ہو گی کوئی وجہ۔ اور وہ کسی کو بتاتی بھی نہیں کہ اس نے انڈا کس کونے میں دیا ہے۔ ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ انڈا کھانا ہے تو ڈھونڈو۔ اب مرغی کسی کی گود میں بیٹھ کر تو یہ کام کرنے سے رہی۔ کچھ ہو جائے انڈا تو وہ چھُپ کر ہی دے گی۔ مرغی جب انڈے دینا بند کر دیتی ہے تو وہ انڈوں سے بچے پیدا کرتی ہے اور مرغی یہ بات اچھی طرح جانتی ہے کہ یہ سارے انڈے اس کے اپنے نہیں ہیں، لیکن یہ اس کی صاف دِلی ہے کہ وہ سب انڈوں کے ساتھ یک ساں سلوک کرتی ہے۔ اسے سب انڈوں سے ایک سی محبّت ہوتی ہے۔ کاش انسان مُرغی سے کچھ سیکھتا۔ وہ ان غیر مرغیوں کے

انڈوں کو بڑی محبت سے سیتی ہے اور یہ اس کی محنت اور پیار کا نتیجہ ہوتا ہے کہ چند ہی دِنوں میں گھر کے آنگن میں کوئی ڈیڑھ درجن چوزے چوں چوں کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ چوزے الگ الگ رنگ کے ہوتے ہیں۔ کوئی بھورا، کوئی سفید، کوئی چتکبرا، کوئی کالا، کوئی کاسنی، انھیں الگ الگ رنگ کا ہونا ہی چاہیے۔ نکلے بھی تو یہ الگ الگ مرغیوں کے انڈوں سے ہیں۔ مرغی ان سب چوزوں کی حفاظت کرتی ہے۔ کیا مجال کوئی بچّہ کوئی بلّی ان کے نزدیک آجائے۔ گھر میں رونق الگ رہتی ہے۔

مرغی تو بلّی پر جھپٹنے کی بھی کوشش کرتی ہے اور جب دیکھتی ہے کہ خطرہ بہت قریب آگیا ہے تو اپنا الارم بجانا شروع کر دیتی ہے اور اتنا شور کرتی ہے جیسے مرغی نہ ہو فائر بریگیڈ ہو۔ بچّے بڑے سب بھاگ کر مرغی کی خیریت دریافت کرنے آجاتے ہیں۔ بلّی دبے پاؤں فرار ہو جاتی ہے۔ بلّی مرغی کی دشمن ہوتی ہے۔ جب دشمن کے چار پاؤں ہیں تو مرغی کے بھی اتنے ہی پاؤں ہونے چاہیے تھے۔ یہ پاؤں میدانِ جنگ میں اس کے اور دسترخوان پر ہمارے کام آتے۔ معلوم نہیں مرغی کی ٹانگ ہر کسی کو کیوں پسند آتی ہے۔ مشکل تو اس وقت آتی ہے جب مہمانوں کے لیے مرغی پکّی ہو۔ مرغی پکڑیں ہم، اس کے پیچھے آدھا گھنٹہ بھاگیں ہم، مرغی چھیلنے میں مدد کریں ہم، اور جب مُرغی پک کر دسترخوان پر آئے تو امّی ایک ٹانگ اپنی سہیلی کی پلیٹ میں ڈال دیں اور دوسری سہیلی کی بیٹی کی پلیٹ میں۔ یہ بھی کوئی انصاف ہوا! دل تو ضرور دُکھتا ہے، لیکن کوئی بات نہیں۔ مرغی کی صرف ٹانگیں تھوڑی ہی ہوتی ہیں اور بھی تو چیزیں ہوتی ہیں اور ان سب کا مزا ایک سا ہوتا ہے۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں یہ دوسری چیزیں ہی کھانی چاہییں۔ کسی کو پتا ہی نہیں چلتا کہ کیا کیا کھایا ہے، جب کہ مرغی کی ٹانگ بعد میں بھی چُغلی کھاتی رہتی ہے اور بتاتی ہے کہ یہ کس نے کھائی ہے۔

مرغی کا جوش بھی نکلتا ہے۔ اسے سُوپ کہتے ہیں۔ مرغی کے سُوپ میں تو طاقت ہی طاقت ہوتی ہے۔ یہ عرق پی کر کم زور تن درست ہو جاتے ہیں۔ جوش کے لیے جو مُرغیاں استعمال کی جاتی ہیں وہ مرغیاں نہیں ہوتے چوزے ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں ان کے عرق میں زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ یہ بھی اچھی چیز ہے، لیکن سال میں بس ایک یا دو مرتبہ پینا چاہیے۔ یہ بھی بہت ہو گیا۔ ہم سوچتے ہیں اگر مرغی کی چار ٹانگیں ہوتیں تو جوش بھی مقدار سے زیادہ نکلتا اور جگہ جگہ
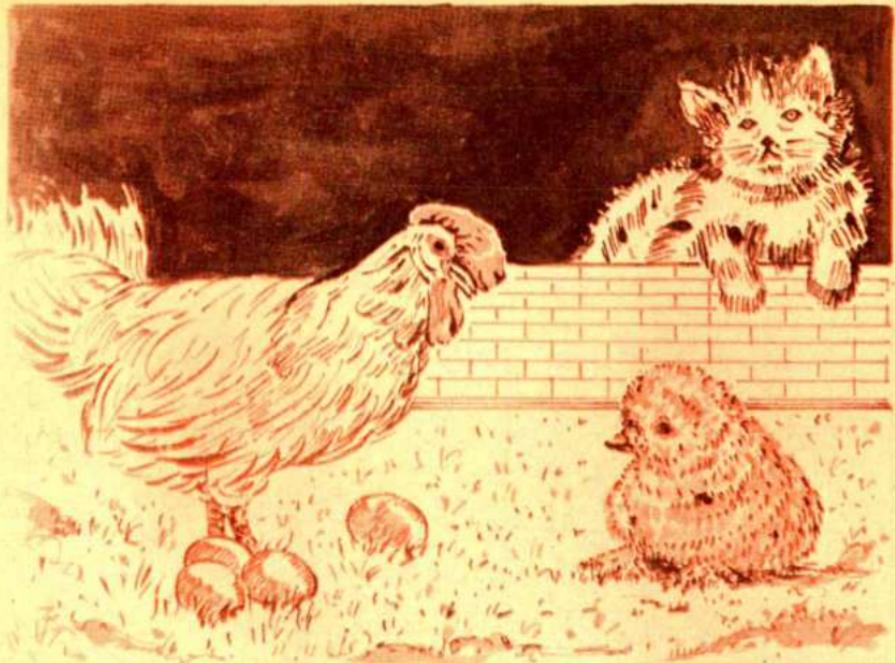
اس کی بھی دُکانیں لگی ہوتیں۔ یہ بھی اسی طرح بکتا جیسے گنّے کا رس بکتا ہے۔ مرغی اپنا رزق خود پیدا کر لیتی ہے۔ بس اسے آزاد چھوڑ دینا چاہیے۔ کبھی کھانا مانگنے آپ کے سامنے نہیں آئے گی۔ ہاں کھانے کی کوئی چیز نظر آجائے تو کیا مجال جو چھوڑ دے۔ ظاہر ہے کیوں چھوڑے گی۔ کیا ہم مرغی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ مرغی کی بس ایک ہی مشکل ہے۔ اسے اپنا ایک گھر چاہیے۔ چاہے وہ جھانپ ہو یا ڈربا۔ وہ رہے گی الگ۔ ایک بڑے ٹوکرے میں دو تین مرغیاں آسانی سے زندگی گزار لیتی ہیں۔ ٹوکرا اُلٹا ہونا چاہیے اور اس پر ایک بڑا سا پتھر بھی رکھا ہونا چاہیے۔ بلّی تو مُرغی کی بُو سونگھ لیتی ہے۔ مرغی کو جتنا بلّی سے بچاؤ گے مرغی اتنی ہی تمھارے کام آئے گی۔

ہم یہ بھی سوچتے ہیں کہ یہ شکاری بڑی بڑی بندوقیں لے کر رات رات بھر جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں کہ کوئی ہرن ہاتھ آجائے، کوئی خرگوش ہی مل جائے۔ ارے میاں، آرام سے گھر بیٹھو اور شکار کا ہی شوق ہے تو مرغی کا شکار کرو۔ گھر کی مرغی ہوتی ہی بے چاری دال برابر ہے۔ ہاں اس کی چار ٹانگیں ہوتیں تو بات اور تھی۔

(پیامِ تعلیم کا شکریہ)

شیشے کے ٹکڑے

حمید عثمانی

گھر کے سب ہی لوگ پریشان تھے۔ پریشانی کی بات ہی تھی۔ آدھی رات کے بعد سڑک کی جانب کھلنے والی ایک کھڑکی کھلی ہوئی ملی۔ اس کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔ کسی نے شیشہ توڑ کر کنڈی کھولی تھی۔ سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں جاکر دیکھنے لگے کہ کس کی کیا چیز چوری ہوئی۔ زیادہ تر سامان ڈرائنگ روم اور کھانے کے کمرے سے غائب ہوا تھا۔ کھانے کے کمرے سے ملا ہوا گڈو میاں کا کمرا تھا۔ وہاں سے ان کی ٹائم پیس غائب تھی۔

چوکی دار کو بُلوایا گیا۔ اس نے بیان دیا کہ وہ ہمیشہ کی طرح رات بھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد چکّر لگاتا رہا تھا، لیکن اس کو شبے کی کوئی چیز نہیں دکھائی دی تھی۔ جس کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا تھا وہ سڑک سے بالکل صاف تو نہیں دکھائی دیتی تھی، مگر اس کے آس پاس کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں آہٹ ہونے پر کوئی چُھپ سکتا۔ "رات کُتّے بھی نہیں بھونکے۔" چوکی دار نے اپنا سر کھجاتے ہوئے کہا۔ وہ کچھ کھویا کھویا سا نظر آتا تھا۔

مالی کی کوٹھری چوں کہ باہر کے حصّے میں تھی اس لیے اس کو بھی پوچھ گچھ کے لیے بُلوایا گیا۔ اس نے کہا، "سرکار، کل رات تو میں کئی بار باہر نکلا تھا۔ نیند اُچٹ سی گئی تھی، پھاٹک کے پاس بیٹھا بیڑی پیتا رہا، بلکہ ایک بار ٹہلتا ہوا قریب کے چوراہے تک نکل گیا تھا۔"

مکان کی ایک ایک بتّی جلا دی گئی تھی۔ جن پڑوسیوں کو اس طرح بے وقت چلنے پھرنے کی آواز سنائی دی وہ بھی خیریت دریافت کرنے چلے آئے تھے اور دو دو تین تین کی ٹولی میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔

گڈو میاں سب سے بعد میں جاگے۔ کافی دیر تک لوگوں کی باتیں سنتے رہے، پھر کچھ سوچ کر اپنے کمرے میں گئے۔ وہاں اپنی چیزیں دیکھتے بھالتے رہے۔ گھڑی کے جانے کا ان کو کوئی خاص غم نہ تھا، مگر جب پتا چلا کہ ان کا کھلونے والا پستول بھی غائب ہے تو انھیں

بہت افسوس ہوا۔ فائر کرنے پر اس سے شعلے نکلتے تھے اور دُور سے تو وہ بالکل اصلی پستول معلوم ہوتا تھا۔ اب ایسا پستول بھلا کہاں سے مِل سکے گا۔ وہ برآمدے میں منھ بنائے ٹہلتے رہے، پھر کھڑکی کے پاس آکر غور سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ اچانک ان کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہونے لگی۔

اسی دوران تھانے خبر کردی گئی۔ پولیس والے آئے۔ انھوں نے اپنی کارروائی شروع کردی۔ دروغہ جی نے پہلے تو پورے مکان کا معائنہ کیا۔ جو کھڑکی کھلی ہوئی ملی تھی اُسے بڑی توجہ سے دیکھا۔ لوگوں کو منع کیا کہ اس کو نہ چھوئیں، اس پر سے ابھی انگلیوں کے نشانات لیے جائیں گے۔ دروغہ جی کے لیے برآمدے میں ایک طرف کرسی ڈال دی گئی، انھوں نے اسی جگہ نوکروں کو طلب کیا، "میں نے بڑی بڑی ڈکیتیوں کا پتا لگایا ہے۔ مجھ سے کوئی بچ کر نہیں جاسکتا۔" انھوں نے چھوٹے سے رول نمابید کو ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔ اس

دارونہ نے گھر کے تمام ملازموں کو تفتیش کے لیے طلب کرلیا

کے بعد نوکروں سے باری باری سوالات کرنا شروع کیے۔ کتنی تنخواہ ملتی ہے؟ کیا کام کرتے ہیں؟ کب سے کب تک کام کرنا پڑتا ہے؟ رات کو کون کون رُک جاتا ہے؟ اور کون ایسا ہے جو رات کو اپنے گھر چلا جاتا ہے؟ داروغہ جی نے سمجھایا بجھایا، ڈرایا دھمکایا، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

اِدھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اُدھر گڈو میاں اکڑتے ہوئے اپنی ممّی کے پاس پہنچے اور پہنچتے ہی بولے،

"پتا لگا لیا ممّی میں نے پتا لگا لیا۔"

"کیا پتا لگا لیا؟" ممّی نے ان کو سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بھیّا، آپ بھی یہاں آئیے۔" گڈو میاں نے آواز دی۔ بھیّا آگئے تو انھوں نے اپنا جملہ پورا کیا،

"ہم نے چوروں کا پتا لگا لیا۔"

بھیّا نے جھلّا کر کہا، "جسے اسکول میں یہ بھی پتا نہ رہتا ہو کہ اس کی پنسلیں اور ربر کہاں چلے جاتے ہیں وہ بھلا اس چوری کا کیا پتا لگائے گا۔"

"آپ یقین کیجیے بھیّا پتا لگ گیا ہے۔ آپ بس دیکھتے جائیے ابھی کیا کیا ہوتا ہے اور آپ اپنی بھی تو رائے دیجیے۔ دیکھیں آپ کو کتنی کامیابی ہوتی ہے اس معمّے کو حل کرنے میں۔"

"میرے خیال میں تو یہ مالی کا کام معلوم ہوتا ہے۔" بھیّا بولے، "اس کا بیان ہے کہ رات وہ کئی بار اُٹھا، اسے نیند نہیں آ رہی تھی اور ایک بار چوراہے تک بھی ٹہلتا ہوا نکل گیا تھا۔ یہ سب اس نے اپنے بچاؤ کے لیے ایک کہانی گڑھی ہے تاکہ بعد میں اگر کوئی کہے کہ رات مالی کو اس نے اِدھر اُدھر جاتے ہوئے دیکھا ہے تو اس کو صفائی نہ پیش کرنا پڑے۔ جب وہ چوراہے تک گیا تھا تب ہی اُس نے چوری کا مال اپنے کسی ساتھی کے حوالے کر دیا ہو گا۔"

"اوں ہوں!" گڈو میاں نے سر ہلاتے ہوئے کہا، "نہیں، یہ بات نہیں ممّی آپ وعدہ کیجیے انعام دینے کا، میں نہ صرف چور کا پتا لگا لوں گا، بلکہ سامان بھی برآمد کرا دوں گا۔"

"کیسے؟ سامان کیسے برآمد کرا دو گے جو کام پولیس والے نہ کر سکے وہ تم کرنے کا دعوا کرتے ہو۔ بہت ہوشیار ہو نا؟"

"اور اگر پتا لگا لوں تو؟"

"کیسے پتا لگا لو گے؟ پولیس جسے دن رات اس طرح کے واقعات سے پالا پڑتا ہے وہ تو کچھ نہ کر سکی۔ کامک اور جاسوسی کہانیاں پڑھ کر تم اتنے قابل ہو گئے کہ چور پکڑ لو گے، مال برآمد کرا دو گے، پولیس والے منھ تکتے رہ جائیں گے۔"

"اچھا تم دونوں بے کار جھگڑا نہ کرو۔" ممّی نے کہا "تم ہی بتاؤ گڈو کیا انعام لو گے۔" ان کے لہجے سے پتا چل رہا تھا جیسے وہ یہ بات گڈو کو صرف ٹالنے کے لیے کہہ رہی ہوں۔

"ممّی، یہ پتا لگا دے تو میں اس کو جتنی یہ مٹھائی کھا سکے گا کھلاؤں گا۔ تنہا اسی کو نہیں اس کے سارے دوستوں کو بھی کھلاؤں گا۔"

مٹھائی کا نام سنتے ہی گڈو میاں کے منھ میں پانی بھر آیا، انھوں نے خوشامد کرتے ہوئے کہا، "بھیّا، تھوڑی سی پیشگی نہ دے دیجیے گا۔"

"سونے سے پہلے میں نے گھڑی میں الارم لگا دیا تھا"

"نہیں ہرگز نہیں، ممّی گواہ ہیں ان کے سامنے میں وعدہ کرتا ہوں، اِدھر کام اُدھر انعام۔ بولو منظور؟"

"منظور!" گڈّو میاں کڑک کر بولے "اور امّی آپ چھوٹی والی سائکل دلوانے کا وعدہ کریں، آپ کا کام ہو جائے تب ہی دلوائیے گا بہ قول بھیّا کے، پہلے کام پھر انعام۔"

"یہ بکواس تم ابّو کے پاس جا کر کیوں نہیں کرتے؟" بھیّا نے گڈّو سے کہا۔

"ابھی مذاق اُڑا لیں بھیّا بعد میں شاباشی دینا پڑے گی آپ کو۔"

"اچھا چلو ممّی کی طرف سے بھی میں ہی وعدہ کیے لیتا ہوں سائکل کا۔ اب دماغ نہ چاٹو۔"

"دیکھیے گا جادو وہ جو سَر چڑھ کر بولے۔ آپ لوگوں کو میری باتوں پر ذرا بھی یقین نہ آ رہا ہو گا۔ کچھ اور انتظار کیجیے۔ حقیقت خود ہی آگے آ جائے گی۔"

بھیّا کو غصّہ آ چلا تھا۔ وہ گڈّو کا ہاتھ تھام کر کھینچتے ہوئے ابّو کے سامنے لے گئے: "ابّو گڈّو کا دعوا ہے کہ وہ چور کا پتہ لگائے گا۔"

"اچھا!" ابّو نے سگرٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"اور کہتا ہے کہ سامان بھی برآمد کرا دے گا۔ اور ابّو، اور بھی نہ جانے کیا کہہ رہا تھا، ہاں یاد آ گیا، کہہ رہا تھا جادو وہ جو سَر چڑھ کر بولے۔"

"تم چور کا پتہ بعد میں بتانا پہلے اس محاورے کا مطلب ہی بتا دو۔" ابّو نے گڈّو سے پوچھا۔ گڈّو میاں سٹپٹا گئے، پھر ہچکچاتے ہوئے بولے، "محاورے کا مطلب تو شاید نہ بتا سکوں مگر آپ کا سامان تھوڑی دیر میں آواز دے گا۔ اسی لیے میں نے کہا ہے کہ جادو وہ جو سَر چڑھ کر بولے۔"

"تم بہت ہوشیار ہو، ذرا کوئی اس سے پوچھے کہ اس کو آج جو پتلون پہن کر اسکول جانا ہے وہ کہاں رکھا ہے۔"

گڈّو میاں کے پاس اس سوال کا بھی کوئی جواب نہیں تھا۔ اسکول سے واپسی کے بعد تو بس کھیل ہی کی جلدی پڑی رہتی ہے۔ بستہ اُدھر پھینکا، کپڑے، موزے، جوتے اِدھر اُدھر اُچھالے اور بھاگے گیند بلّا لے کر۔ ممّی ناشتے کے لیے پکارتی رہ جاتی ہیں۔

گڈو میاں خاموش کھڑے رہے، پھر جیسے ہی جواب دینے کے لیے انھوں نے منھ کھولا ماماکی کوٹھری سے ٹائم پیس کے الارم بجنے کی آواز آنا شروع ہو گئی۔ "وہ بولا جادو۔" گڈو میاں بے تحاشا اس جانب دوڑے جدھر سے آواز آرہی تھی۔ ایک ایک کر کے سب لوگ وہیں اکٹھا ہو گئے۔ واقعی چور پکڑا جا چکا تھا۔ سامان نے گڈو میاں کے دعوے کے مطابق واقعی آواز دی تھی۔

بھیا کھسیانی ہنسی ہنس رہے تھے۔ ممّی نے گڈو کو اپنے قریب کھینچ لیا اس کی پیٹھ تھپتھپائی، "میرے بیٹے کا سب مذاق اُڑا رہے تھے اب کوئی کچھ نہیں بولتا۔ اسے میں آج ہی سائکل دلادوں گی۔"

گڈو میاں بڑے فخر سے سب کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے اپنا لوہا منوا لیا تھا۔ داروغہ جی بھی آہستہ آہستہ چلتے ہوئے قریب پہنچے۔ گڈو میاں ان کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے، گویا کہنا چاہتے ہوں کہ دیکھیے جو کام آپ سے نہ ہو سکا وہ میں نے کر دکھایا۔

داروغہ جی کو ہی مخاطب کر کے انھوں نے کہنا شروع کیا:

"ابّو کی نظریں بچا کر ہم لوگ لان میں کرکٹ کھیلتے ہیں۔ اکثر جب گیند دھوکے سے کسی کھڑکی یا دروازے کے شیشے سے ٹکراتی ہے تو شیشے کے ٹکڑے ٹوٹ کر کمرے میں گرتے ہیں۔ آج میں نے دیکھا تو شیشے کے ٹکڑے باہر کی طرف پڑے ہوئے ملے۔ اس وجہ سے میں نے سوچا کہ ہو نہ ہو کسی نے اندر سے کنڈی کھولی اور شیشہ اس لیے توڑ دیا تاکہ دیکھنے والے سمجھیں کہ کنڈی کھولنے کے لیے شیشہ توڑا گیا ہے۔ اس نے یہ سوچا کہ شیشے پر اگر باہر سے چوٹ پڑتی تو اس کے ٹکڑے اندر کی جانب گرتے، پھر جب مالی کا بیان میں نے سُنا تو مجھے خیال ہوا کہ چور کو سامان لے جانے کا موقع نہ مل سکا ہوگا۔ سونے سے پہلے میں نے گھڑی میں چھے بجے کا الارم لگایا ہے۔ گھڑی چھے بجے بولتی ہے۔"

ماماکی کوٹھری کی تلاشی لی گئی تو چھوٹی موٹی اور بھی کئی چیزیں برآمد ہوئیں۔ اُس کو اور اس کے لڑکے کو پولیس کے سپرد کر دیا گیا۔

گڈو میاں کو سب نے انعام واکرام دیا۔ بھیا نے مٹھائی کی دعوت کی۔ گڈو میاں کے سارے دوست اکٹھا ہوئے۔ گڈو میاں نے مزے لے لے کر دوستوں کو اپنا کارنامہ سُنایا۔ ممّی نے چھوٹی سی سائکل اور ابّو نے کرکٹ کا سامان منگا کر دیا، اس تاکید کے ساتھ کہ گیند گھر کی طرف نہ آنے پائے ورنہ پٹائی ہوگی۔

"اگر یہ سبزی خراب نکلی تو میں پکی پکائی ہانڈی لے آؤں گی۔"

"بیگم صاحبہ، اس سے اچھی بات اور کیا ہے، لیکن ساتھ دو چار روٹیاں بھی ضرور لیتی آنا۔"

بچو! ایک رُپے کا سوال ہے۔

بابا، ہم حساب کتاب میں کم زور ہیں۔ اپنا سوال کسی اور سے حل کروالینا۔
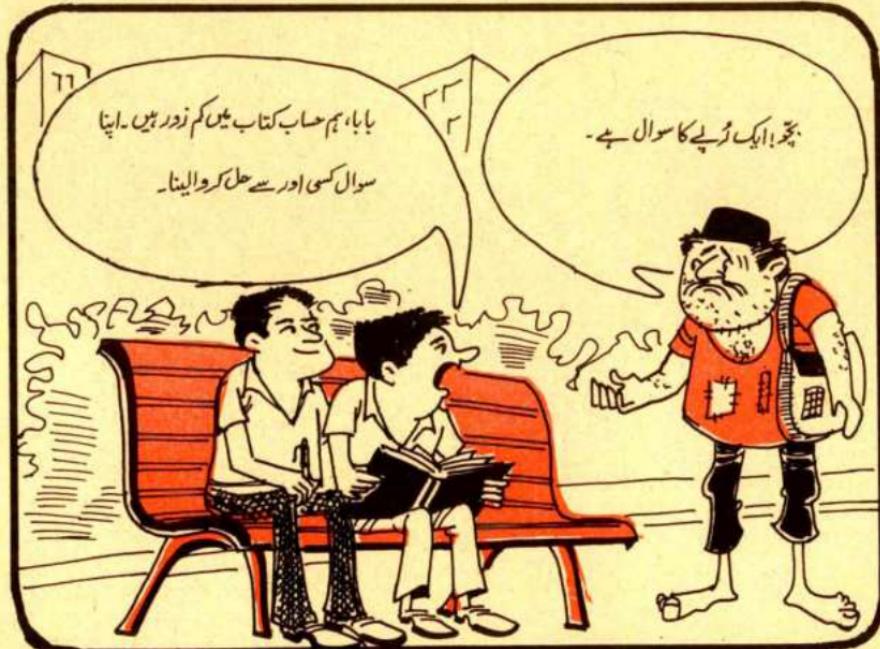
صبح کا بُھولا

عبدالحمید نظامی

یعقوب ایک بگڑا ہوا لڑکا تھا۔ جیسا وہ بگڑا ہوا تھا ویسا ہی اس کا نام بھی بگڑا ہوا تھا۔ سب اسے یعقوب کے بجائے "کُوبا" کہتے تھے۔ کُوبا کُبڑے کو کہا جاتا ہے، مگر یعقوب کُبڑا نہیں بلکہ کافی لمبا تڑنگا تھا۔

یعقوب آٹھویں جماعت میں پڑھتا اور اپنی کلاس میں سب سے زیادہ نالائق لڑکا شمار ہوتا تھا۔ وہ چھٹی اور ساتویں جماعتوں میں فیل ہو جانے کے باعث دو دو سال پڑھا تھا۔ اس کے کئی ساتھی اب دسویں جماعت میں پہنچ چکے تھے۔ وہ کلاس میں سب سے بڑا بھی تھا اس لیے سب لڑکوں پر رعب رکھا ہوا تھا۔ نالائق لڑکوں نے اسے اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا اور آئے دن دنگا فساد میں اس سے مدد لیا کرتے تھے۔ یعقوب کسی سے نہیں ڈرتا تھا، کیوں کہ وہ ایک بڑے پولیس افسر کا بیٹا تھا۔ اس نے گھر میں اکثر باپ کو کہتے سُنا تھا "کسی کی مجال ہے کہ ہمارے بیٹے کو ہاتھ لگائے۔ کوئی کچھ کہہ کر دیکھے۔ جیل کی ہوا کھائے گا تو مزہ آجائے گا۔" اس کا باپ ملنے جلنے والوں سے بھی اکثر ایسی باتیں کرتا کہ "کوئی فکر نہ کرو۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں ایک ایک کو ٹھیک کر دوں گا۔" ایسی باتیں سُن سُن کر یعقوب نڈر ہو گیا تھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی یہ کہہ کر نڈر بنا تا رہتا تھا کہ "اپنے ابا کوتوال ہیں تو پھر ہمیں ڈر کس بات کا!"

یعقوب کے مقابلے میں حیدر کلاس میں سب سے چھوٹا لڑکا تھا۔ دُبلا پتلا بالکل معصوم سا، مگر پڑھنے لکھنے میں بہت ہوشیار اور ذہین۔ ہر مضمون میں طاق تھا۔ ہر مقابلے میں اوّل آتا تھا۔ اب تک سارے امتحانات نمایاں حیثیت میں پاس کیے تھے۔ اس کے استادوں کو بھی اس پر ناز تھا اور وہ بڑے فخر سے کہا کرتے تھے کہ حیدر نے جیسے پانچویں جماعت میں وظیفہ حاصل کیا تھا ایسے ہی اب آٹھویں جماعت میں بھی ضرور وظیفہ
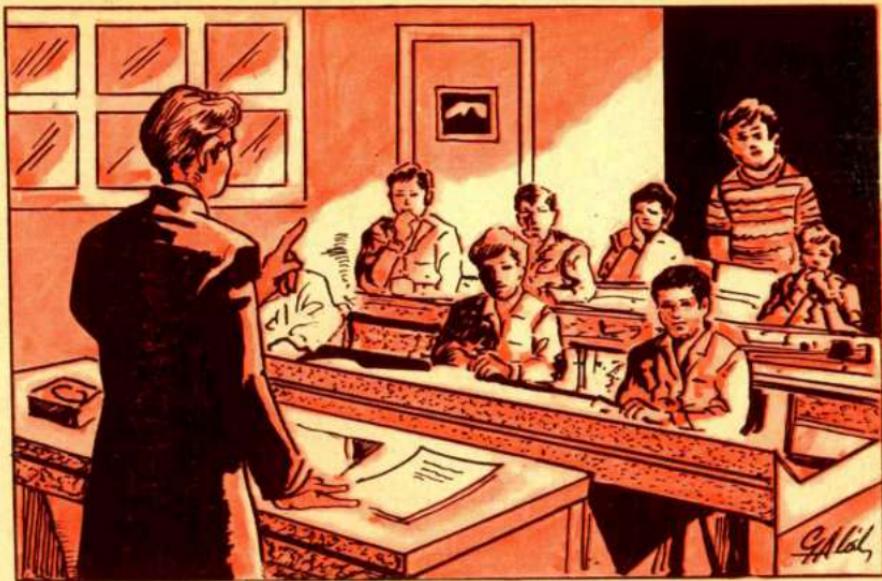
ماسٹر صاحب نے یعقوب کو بینچ پر کھڑے ہونے کا حکم دے دیا

لے گا۔

یعقوب کو حیدر سے بہت ہی حسد ہونے لگا، کیوں کہ اُستاد صاحب ہر روز اس کے سامنے حیدر ہی کی مثال پیش کرتے تھے۔ پڑھائی کا معاملہ ہوتا یا عادات و اخلاق کا، لباس کا معاملہ ہوتا یا گفت گو کا، غرض ہر بات میں ماسٹر صاحب اسے حیدر سے سبق سیکھنے کی نصیحت کرتے۔ رفتہ رفتہ یعقوب کے دل میں حیدر کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی۔ وہ ہر وقت اسے نقصان پہنچانے کے بارے میں سوچنے لگا۔ ایک دو بار اس نے حیدر سے اُلجھنے کی کوشش بھی کی اسے خوب بُرا بھلا کہا، مگر حیدر نے پلٹ کر کوئی جواب نہ دیا۔ اور چُپ چاپ گھر چلا گیا۔

یعقوب نہ گھر پر پڑھتا تھا نہ اسکول کا کام کرتا تھا۔ اسے کھیل کُود اور آوارہ لڑکوں کے ساتھ گھومنے سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی۔ جب کہ حیدر کلاس میں بھی پوری توجہ اور دھیان سے پڑھتا۔ کوئی سوال یا بات سمجھ میں نہ آتی تو کھڑے ہو کر بے جھجک ماسٹر صاحب سے پوچھ لیتا تھا جو اسے قریب بُلا کر بڑے پیار اور شفقت سے سمجھا دیتے تھے۔ اسی

طرح وہ گھر پر جب تک اسکول سے مِلا ہوا کام ختم نہ کر لیتا کسی بات میں دِل چسپی نہیں لیتا تھا۔

ایک روز ماسٹر صاحب نے طالب علموں سے گھر پر کیا ہوا کام دکھانے کے لیے کہا۔ جن بچّوں نے کام کیا ہوا تھا انھوں نے اپنی اپنی کاپیاں ماسٹر صاحب کے حوالے کر دیں۔ یعقوب اور اس جیسے دو چار اور لڑکے بغلیں جھانکنے لگے۔ ماسٹر صاحب نے کاپیوں پر سرسری نظر ڈال کر حیدر کو قریب بُلایا۔ اس کی پیٹھ تھپک کر شاباش دی اور حیدر کی کاپی ساری کلاس کو دکھاتے ہوئے کہا، "دیکھو! پڑھائی کا شوق اسے کہتے ہیں۔ حیدر نے کتنی صفائی اور خوش خطی سے کام کیا ہوا ہے۔ میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ یہ ضرور اعلا تعلیم حاصل کر کے بڑا آدمی بنے گا۔ بہت عزّت پائے گا۔ جو بچّے بڑے ہو کر باعزت مقام پانا چاہتے ہوں انھیں حیدر جیسی لگن، شوق اور محنت سے پڑھنا لکھنا چاہیے۔"

پھر انھوں نے یعقوب کو بنچ پر کھڑے ہونے کا حکم دیا اور سب لڑکوں کی توجہ اس کی طرف دِلا کر کہا، "جو بچّے پڑھنے سے جی چرائیں گے، گھر سے اسکول کا کام کر کے نہیں لائیں گے، بے کار وقت ضائع کریں گے وہ یعقوب جیسے نالائق بن کر رہ جائیں گے۔"

اس دن یعقوب کو اپنی حرکتوں پر شرم آنے کے بجائے ماسٹر صاحب پر بہت غصّہ آیا تھا۔ وہ ساری رات بے چینی سے کروٹیں بدلتا اور اپنی بے عزّتی کا بدلا لینے کی ترکیبیں سوچتا رہا تھا۔ آخر ایک ترکیب اس کے ذہن میں آگئی۔

اگلے روز وہ حیدر کے ساتھ بہت ہی پیار و محبّت سے پیش آیا۔ آدھی چھٹی میں اسے اسکول کی کینٹین پر لے گیا۔ بے حد اصرار کر کے آئس کریم کھلائی اور کہا، "بھائی حیدر! میں خواہ مخواہ تم سے جلتا رہا۔ تم واقعی بہت اچھے ہو۔ اب میں تم سے پکّی دوستی کروں گا۔"

یعقوب کچھ دِنوں تک حیدر کے منع کرنے کے باوجود اسے کینٹین سے طرح طرح کی چیزیں کھلاتا رہا۔ پھر ایک دن کینٹین سے چیزیں کھانے کے بعد بولا، "حیدر! آج میری جیب خالی ہے۔ تم پیسے ادا کر دو!"

حیدر گھبرا گیا، کیوں کہ اسے صرف آٹھ آنے روزانہ جیب خرچ ملتا تھا، جس میں سے وہ اسکول سے واپس جاتے ہوئے چار آنے بس کا کرایہ دے دیتا تھا۔ اس نے کھسیانا سا

ہو کر کہا، "بھائی یعقوب! پیسے تو میرے پاس بھی نہیں ہیں۔"
یعقوب مکاری سے ہنس دیا، "کوئی بات نہیں۔ کل دے دینا، اُدھار کر لیتے ہیں۔"
یعقوب نے کینٹین والے سے کہہ دیا کہ کل حیدر تمھیں تین رُپے دے دے گا۔" کینٹین والا جانتا تھا کہ دونوں بچّے کافی عرصے سے آرہے ہیں۔ اس نے کہا، "کوئی بات نہیں۔ آپ کو کچھ اور کھانا ہو تو کھا لیں۔ پیسوں کی فکر نہ کریں وہ تو مل ہی جائیں گے۔"
حیدر بہت پریشان رہا۔ ماں نے کئی بار پوچھا بھی کہ کیا بات ہے بیٹا حیدر، تم بہت فکر مند دکھائی دے رہے ہو، مگر وہ ٹال گیا۔ اسے ماں سے اصل بات بتانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ ساری رات یہی سوچتا رہا کہ کل کینٹین والے کے پیسے نہ دیے تو بہت شرمندگی اُٹھانا پڑے گی۔ یعقوب اپنے دل میں کیا کہے گا کہ مفت کی چیزیں مزے لے کر کھاتا رہا اور ایک دن پیسے دینا پڑے تو بھاگ گیا۔
پہلے اس نے سوچا کہ وہ اسکول سے واپسی پر بھی پیدل آجایا کرے گا اور کوئی چیز بھی نہیں کھائے گا۔ آٹھ آنے روزانہ بچاتا رہے گا، مگر خیال آیا کہ اس طرح تو چھے دن

ماسٹر صاحب نے حیدر سے کہا، "انسان کو چاہیے کہ بُرائی سے بچے۔"

بعد تین رُپے جمع ہوں گے۔ پھر کیا کرے؟ وہ جھنجھلا گیا۔
صبح جب وہ بالوں میں کنگھا کر رہا تھا اسے انگیٹھی پر کچھ رُپے رکھے نظر آئے۔ شاید اس کی امّی وہاں رکھ کر بھول گئی تھیں۔ حیدر نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اس کی امّی باورچی خانے میں ناشتا تیار کر رہی تھیں۔ حیدر نے جلدی سے ان نوٹوں میں سے تین رُپے نکال کر اپنے جیب میں رکھ لیے۔ اس کا دل ڈر کے مارے دھڑکتا رہا۔ ناشتا بھی ٹھیک سے نہ کر سکا اور جلد ہی اسکول روانہ ہو گیا۔

آدھی چھٹّی میں یعقوب حیدر کو کینٹین میں لے جانے لگا تو اس نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور تین رُپے اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے روہانسی آواز میں کہا، "بھائی! تم امیر ہو۔ روزانہ کتنے کتنے رُپے خرچ کر سکتے ہو۔ تمھیں معلوم ہے میرا تو باپ بھی نہیں ہے۔ ماں نہ جانے کیسے مجھے پڑھا رہی ہے۔ میں تمھارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ یہ تین رُپے بھی گھر سے چُرا کر لایا ہوں۔"

حیدر کی بات سُن کر یعقوب نے اسے گلے لگا لیا اور ہمدردانہ لہجے میں بولا، "کیسی باتیں کرتے ہو۔ بھلا میرے اور تمھارے پیسے کیا دو دو ہیں۔ یہ پیسے رکھ لو۔ گھر واپس کر دینا۔ کینٹین والے کو میں خود ہی دے دوں گا۔"

حیدر کو ایسا لگا جیسے اس کے سر پر جو پہاڑ سا بوجھ پڑا ہوا تھا وہ یعقوب نے اُتار دیا ہو۔ وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر کے مسکرا دیا، مگر یعقوب نے اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا، "آج میں تمھیں فلم دکھاؤں گا۔ انگریزی فلم "بغداد کا چور" بہت اچھی ہے۔ میں تین مرتبہ دیکھ چکا ہوں۔"

حیدر کے دل میں فلم دیکھنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی، مگر اس نے مجبوری ظاہر کرتے ہوئے کہا، "بھئی! فلم دیکھنے کو دل تو بہت کرتا ہے، مگر امّی اجازت نہیں دیں گی۔"
یعقوب نے اسے سمجھایا، "اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنی امّی سے کہنا کہ ماسٹر صاحب نے امتحان کی تیاری کرانے کے لیے گھر بُلایا ہے۔ تین بجے میرے گھر آجانا۔ تین سے چھے بجے والا شو دیکھ لیں گے۔"

حیدر نے ماں سے جھوٹ بولا اور یعقوب کے ساتھ زندگی میں پہلی فلم دیکھی۔ اب تو

اس کا اور یعقوب کا گہرا دوستانہ ہو گیا۔ حیدر پڑھنے لکھنے کے بجائے یعقوب کے ساتھ وقت گزارنے لگا۔ ماں سے کہتا کہ ماسٹر صاحب کے گھر پڑھتا رہتا ہے اور ماسٹر صاحب جب پوچھتے کہ آج کل وہ اسکول کا کام کر کے کیوں نہیں لاتا تو رونی صورت بنا کر کہہ دیتا کہ میری امّی بہت سخت بیمار ہیں، مجھے گھر کے کام دھندے سے فرصت نہیں ملتی۔

آہستہ آہستہ حیدر کا دھیان پڑھائی کی طرف سے ہٹنے لگا۔ ہفتے میں ایک دن اسکول سے ناغہ بھی کر لیتا۔ ماسٹر صاحب کو فکر لاحق ہوئی۔ جب انھیں دوسرے لڑکوں کی زبانی یہ علم ہوا کہ یعقوب اور حیدر میں گاڑھی چھن رہی ہے، دونوں ہم نوالہ و ہم پیالہ بنے ہوئے ہیں تو انھیں بہت دکھ ہوا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ یعقوب کی صحبت ہی کا اثر ہے جو حیدر کو تباہی کے راستے پر لے جا رہا ہے۔

ایک دن ماسٹر صاحب نے حیدر سے کہا کہ وہ چھٹّی ہونے کے بعد گھر جانے سے پہلے اُن سے ضرور ملے۔ یعقوب نے چھٹی کے وقت بہت زور لگایا کہ حیدر ماسٹر صاحب کی

حیدر اور یعقوب مسجد سے نکل کر ایسے گلے ملے جیسے عید کا دن ہو

پروانہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ چلا چلے، مگر حیدر نے کہہ دیا، "نہیں دوست! میں ماسٹر صاحب سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

جب سب لڑکے چلے گئے اور کلاس میں صرف حیدر اکیلا رہ گیا تو ماسٹر صاحب کلاس میں داخل ہوئے۔ انھوں نے حیدر کے سَر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ پھر بڑی نرمی سے پوچھا، "برخوردار حیدر! مجھے معلوم ہوا ہے آج کل تم یعقوب کے ساتھ رہتے ہو۔"

حیدر نے سَر جُھکا لیا۔ انھوں نے کہا، "اس میں ڈرنے جھجکنے کی کیا بات ہے۔ جواب دو، کیا یہ درست ہے کہ تم اور یعقوب ایک ساتھ گھومتے پھرتے ہو؟"

"جی ہاں! وہ میرا دوست بن گیا ہے۔" حیدر نے ڈرتے ڈرتے کہہ دیا۔

ماسٹر صاحب خوش ہو کر بولے، "یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ مجھے اس دوستی پر خوشی ہوئی، کیوں کہ اب وہ بھی ضرور لائق لڑکا بن جائے گا۔ بُری عادتیں چھوڑ دے گا۔ آوارہ گردی کرنے کے بجائے تمھاری طرح دِل لگا کر پڑھا کرے گا۔ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے پیار کرنے لگے گا۔ آخر تمھارا دوست بنا ہے تو تم جیسا بننے کی کوشش بھی کرے گا۔"

یہ سنتے ہی حیدر کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ شرم کے مارے اسے پسینا آ گیا۔ وہ سوچنے لگا، کتنے افسوس کی بات ہے کہ میں یعقوب کو اچھائی کی طرف لانے کے بجائے اس کے ساتھ بُری باتوں میں شامل ہو گیا۔ اس نے مجھے بُرا بنانے کی پوری کوشش کی اور میں نے اسے اچھائی کے راستے پر لانے کا سوچا تک نہیں۔ اس نے اسی وقت دل میں ایک فیصلہ کر لیا اور بڑے اعتماد کے ساتھ بولا، "جی جناب! ان شاءاللہ ایسا ہی ہو گا۔ وہ بھی وظیفے کے امتحان میں شامل ہو گا۔"

ماسٹر صاحب مسکرائے اور حیدر کی پیٹھ تھپک کر کہا، "شاباش! مجھے تم سے یہی امید ہے۔" پھر بولے، "دیکھو بیٹا! انسان کو چاہیے کہ بُرائی سے بچے، اچھی صحبت اختیار کرے۔ برائی کا اثر بہت جلدی غالب آتا ہے۔ اچھے لڑکے کو بُرا بنا دینا بہت آسان ہے، مگر کسی بگڑے ہوئے لڑکے کو تعریف کے قابل بنانا بہت مشکل کام ہے، لیکن اگر تم ہمت سے کام لو اور اپنے کردار پر پختگی کے ساتھ قائم رہو تو اس نیک مقصد میں کام یاب ہو سکتے ہو۔"

اس دن یعقوب حیدر کے پاس آیا تو حیدر نے اس سے کہا، "دیکھو بھائی یعقوب!

ہم پکّے دوست ہیں ۔ میں آج تک تمھارے کہنے پر عمل کرتا رہا ہوں ۔ تم نے جو کہا میں نے وہی کیا ۔ کئی باتوں پر مجھے بُرا بھلا کہا گیا ۔ کبھی کبھی مار بھی کھانی پڑی ، مگر میں نے تمھارا ساتھ نہیں چھوڑا ۔ اب تمھیں بھی میری باتیں ماننا ہوں گی ۔"

یعقوب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر یقین دلاتے ہوئے کہا ،"بسرو چشم ! کہو کیا کہتے ہو ۔ تمھاری خاطر جان بھی دے دوں گا ۔"

حیدر بولا ،" مجھے تمھاری جان نہیں صرف قول چاہیے ۔ پکّا وعدہ کرو کہ میں جو کہوں گا تم وہی کرو گے !"

یعقوب نے کہا ،"ہاں ! ہاں ! وعدہ کرتا ہوں جو تم کہو گے وہی کروں گا ۔ تم کہہ کر تو دیکھو ۔ قسم اللہ پاک کی ..... "

حیدر نے اس کی بات کاٹ دی ،" قسم مت کھاؤ یعقوب بھائی ! بس میرے ساتھ نماز پڑھنے چلو ..... اور آج سے یہ عہد کر لو کہ جھوٹ کبھی نہیں بولو گے ۔"

یعقوب پر سکتہ سا طاری ہو گیا ۔ جیسے اسے پھانسی دیے جانے کا حکم سُنا دیا گیا ہو ۔ وہ کتنی دیر حیدر کو گھورتا رہا ۔ پھر کوئی جواب دیے بغیر وہاں سے چلا گیا ۔ حیدر کو یعقوب کے اس بے رُخی کے رویّے پر دکھ ہوا ۔ اسے پوری امید تھی کہ یعقوب اس کی بات مان جائے گا ، مگر اس کے یوں چلے جانے پر وہ اداس ہو گیا ۔

تھوڑی دیر بعد محلّے کی مسجد سے اذان کی آواز گونجی ۔ حیدر گھر سے نکل کر مسجد کی طرف چل دیا ۔ اچانک کسی نے پیچھے سے پکارا ،" حیدر بھائی ! ٹھیر جاؤ میں بھی آرہا ہوں ۔" حیدر نے پلٹ کر دیکھا ۔ اس کے سامنے یعقوب کھڑا تھا ۔ اس نے صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھے ۔ سَر پر رومال بندھا تھا ۔ حیدر کا خوشی کے مارے بُرا حال ہو گیا ۔ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے مسجد میں داخل ہو گئے ۔

نماز سے فارغ ہو کر حیدر نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور قدرے بلند آواز میں گڑگڑانے لگا ،" اے خدایا ! مجھ پر اور میرے دوست پر رحم فرما ۔ ہمیں ہر بُرائی سے بچا ۔ ہمیں کسی کو ستانے دُکھ پہنچانے کے بجائے کم زوروں ، ضعیفوں اور اپاہجوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما ۔ ہمارے دلوں میں عِلم کی شمع روشن کر دے ۔ لکھنے پڑھنے

اور اعلا تعلیم حاصل کرنے کا شوق دے۔ اے اللہ پاک! ہمیں اتنا اچھا بنا دے کہ کسی کو ہم سے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ ہم سب کے خدمت گزار بن جائیں۔ ہمیشہ سچ بولیں اور اچھے کام کریں۔"

یعقوب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں ہر دُعا کے بعد "امین! امین!" کہے جا رہا تھا۔ پھر دونوں اُٹھے اور مسجد میں ایسے گلے ملے جیسے عید کا دن ہو۔

****

بُوجھو تو جانیں

کون سی

آپ نے جاپان، سوئٹزرلینڈ اور امریکا کی گھڑیاں تو دیکھی ہوں گی۔ بتائیے تو سہی کہ کون سی گھڑیاں سب سے لمبی ہوتی ہیں۔

قاتل

سب جانتے ہیں، کہ اس نے بے شمار گلے کاٹے ہیں، پھر بھی کوئی اسے گرفتار نہیں کرتا۔ آخر کیوں؟

کون سی کوڑی

کوڑی ایک ایسی عام چیز ہے جسے سب لوگوں نے دیکھا ہے۔ لوگ کوڑی پر کوئی خاص توجہ نہیں دیتے۔ بتائیے وہ کون سی کوڑی ہے جس میں سب لوگ دل چسپی لیتے ہیں؟

ایک جیسی بات

(ا) ایک قمیص اور انسان میں ایک جیسی کیا بات ہے؟ (ب) دل اور برف میں کیا بات ایک جیسی ہے؟

پہیلی

پیٹ بھرا ہے جل سے اوپر جلے ہے آگ
جب بجائیں بانسری نکلے کالا ناگ

تین حروف

وہ کون سے تین حروف ہیں جو ایک نوجوان کو بوڑھا بنا دیتے ہیں؟

انتظار

وہ کون سی چیز ہے جو کسی کا انتظار نہیں کرتی؟

(جوابات سوچیے اور ہمارے اگلے مہینے کے جوابات سے ملائیے)

مگر فساد خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے

خون میں سرایت کئے ہوئے فاسد مادے
پھوڑے پھنسیوں اور کئی دوسری جلدی بیماریوں
کو جنم دیتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی
کے ساتھ استعمال کیجئے۔ خون کی صفائی اور جلدی
بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔

انسان کی تلاش

جناب مولانا ابوالحسن علی ندوی

عزیزو اور دوستو! آج سے پورے سات سو برس پہلے ترکی کے حدود میں ایک بڑے مشہور شاعر اور حکیم گزرے ہیں، جن کا نام مولانا رومؒ ہے۔ آپ نے ان کی مثنوی سُنی ہوگی۔ انھوں نے ایک دل چسپ واقعہ لکھا ہے۔ وہ میں آپ کو سُناتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ "کل رات کا واقعہ ہے، ایک ضعیف العمر آدمی چراغ لیے شہر کے گرد گھوم رہے تھے اور اندھیری رات میں کچھ تلاش کر رہے تھے۔ میں نے کہا حضرت سلامت، آپ کیا تلاش کر رہے ہیں؟ فرمانے لگے کہ مجھے انسان کی تلاش ہے، میں درندوں کے ساتھ رہتے رہتے عاجز آگیا ہوں، میرا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، اب مجھے ایک ایسے انسان کی تلاش ہے جو خدا کا شیر اور مردِ کامل ہو۔" میں نے کہا، "بزرگوار! اب آپ کا آخری وقت ہے، انسان کو آپ کہاں تک ڈھونڈیں گے، اس عَنقا کا ملنا آسان نہیں۔ میں نے بھی بہت ڈھونڈا ہے، لیکن نہیں پایا۔" ان بزرگ نے جواب دیا، "میری ساری عمر کی عادت ہے کہ جب کسی چیز کو سنتا ہوں کہ وہ نہیں ملتی تو اس کو اور زیادہ تلاش کرتا ہوں۔ تم نے مجھے اس بات پر آمادہ کر دیا کہ میں اس گُم شدہ انسان کو اور زیادہ ڈھونڈوں اور اس کی تلاش سے کبھی باز نہ آؤں۔"

یہ ایک شاعر کا مکالمہ ہے۔ شاید آپ کو تعجب ہو کہ کیا کوئی ایسا بھی وقت تھا کہ انسان بالکل نایاب ہو گیا تھا۔ مولانا رومؒ نے ہمارے ذہن میں ایک سوال پیدا کر دیا کہ کیا انسان، انسان نہیں ہے اور کیا انسان کی بڑی بڑی آبادیوں میں بھی انسان نایاب ہے؟ ہم تو سمجھتے تھے کہ انسان کی ایک قسم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو دیکھنے میں انسان ہے، لیکن حقیقت میں انسان نہیں ہے اور دنیا میں ہمیشہ انھیں لوگوں کی کثرت رہی ہے، دوسرے وہ جو حقیقت میں انسان ہیں اور وہ کبھی ایسے گُم ہو جاتے ہیں کہ ان کو چراغ لے کر ڈھونڈنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

مولانا رومؒ کو سات سو برس ہو چکے ہیں۔ ان کے بعد سے دنیا میں بڑی ترقیاں ہوئیں، ہر

شہر میں انسانوں کی تعداد بڑھتی رہی ہے اور آج کی انسانی آبادی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے اور اس کی ترقیاں بہت وسیع ہیں۔ آج انسان نے بجلی، بھاپ، ہوا اور پانی پر قبضہ جما لیا ہے۔ ہوائی جہاز، ریڈیو اور ایٹم بم سے انسان کی ترقی اور فتوحات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، لیکن دوستو! انسانوں کی ترقی کا اندازہ مردم شماری کے نقشوں اور بڑے بڑے متمدن اور ترقی یافتہ ملکوں کی تصویروں سے کرنا صحیح نہیں ہوا۔ انسانیت کی ترقی ان مادی ترقیات کا نام نہیں ہے اور محض نسلِ انسانی کی ترقی کو انسانیت کی ترقی نہیں کہا جا سکتا۔ انسانیت کی ترقی کا اندازہ انسانوں کے اخلاق و کردار سے ہوتا ہے، اور اخلاق و کردار کا اندازہ آپس میں ملنے جلنے، ریل کے ڈبوں، پارکوں، ہوٹلوں، دفتروں اور بازاروں میں ہو سکتا ہے۔ اردو کے مشہور شاعر اکبر نے بالکل صحیح کہا ہے:

نقشوں کو تم نہ جانچو، لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے، کیا چیز مر رہی ہے

(الانسان کا شکریہ)

کون کیا تھا؟

ہومر : یورپ کا بہترین شاعر ۔ بھکاری تھا۔
سقراط : ایک عظیم فلاسفر ۔ ایک معمار کا بیٹا تھا۔
کمال اتاترک: بابائے ترکی ۔ معمولی کلرک کا بیٹا تھا۔
کولمبس : امریکا دریافت کرنے والا ۔ جولاہا تھا۔
آئزن ہاور : امریکا کے صدر ۔ اخبار فروش تھے۔
اسٹالن : روس کا صدر ۔ ایک موچی کا بیٹا تھا۔

مرسلہ: لبنیٰ اکرام، لاہور کینٹ

تِتلی

حسن عابدی

ہوا میں پھول کھلاتی آئی لہراتی بَل کھاتی آئی
تتلی، اِک طیّارہ جیسے

اُڑتی جائے، اُڑتی جائے اوپر جا کر نظر نہ آئے
مصنوعی سیّارہ جیسے

پَر پھیلائے لپک رہی ہے پھولوں میں بھی چمک رہی ہے
آسمان میں تارہ جیسے

ٹہنی پر سستانے آئی آہٹ پا کر یوں لہرائی
رنگوں کا فوّارہ جیسے

ابھی یہاں ہے ابھی وہاں ہے پھول پری کو چین کہاں ہے
چنچل ایسی پارہ جیسے

نقش و نگار خزانہ اس کا شاخ شاخ پہ جانا اس کا
پھرتا ہو، بنجارہ جیسے
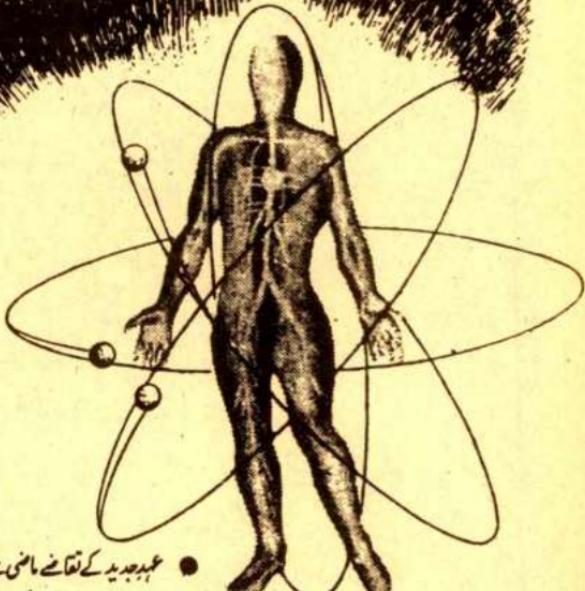
تحفے

مسکراتے جملے ــــ عظیم اقوال ــــ انوکھے نکتے ــــ دِل چسپ تحریریں

مطالعہ

مرسلہ: نثار حیدر عباس، لاہور

ایک پڑھا لکھا آدمی اگر تین دن تک کچھ نہیں پڑھے تو اُسے اپنی گفت گو بے ذائقہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ مطالعہ مسرت و خوشی کا باعث ہے۔ اس سے زندگی کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا ہے، کیوں کہ مطالعے کی ایک گھڑی، انسان کو دنیا کے چند گھنٹوں کی الجھنوں سے نجات دلاتی ہے اور مطالعہ ہر آدمی کے لیے بہترین ساتھی اور رفیق ہے۔

طلبہ اور تجربہ

مرسلہ: عالیہ سعید، لاڑکانہ

طلبہ میں عموماً ایک عیب ہوتا ہے جس سے میں آپ کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔ طلبہ اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا کی ہر بات جانتے ہیں اور کوئی شخص انھیں کوئی ایسی بات نہیں بتا سکتا جسے وہ پہلے سے نہ جانتے ہوں۔ یہ ذہنیت بہت نقصان دہ ہے اور اس کے نتائج اکثر خراب ہی نکلتے ہیں۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ بڑوں کے تجربوں سے نہیں بلکہ خود اپنے تجربوں سے ہی سبق حاصل کریں گے تو میں آپ کو بتا دوں کہ جیسے جیسے آپ بڑے ہوتے جائیں گے آپ کو اپنے تجربوں سے سیکھنے کے لیے تیار ہونا پڑے گا اور اس کی گراں قیمت بھی آپ ہی کو ادا کرنی ہوگی۔ زندگی کے تجربوں کے دوران آپ جو دھکّے کھائیں گے وہ دوسروں کو نہیں بلکہ آپ ہی کو زیادہ نقصان پہنچائیں گے۔ ـــــ قائداعظم محمد علی جناح

لیڈر کی صلاحیت

مرسلہ: محسن رجب علی، نواب شاہ

ونسٹن چرچل سے کسی نے پوچھا، "ایک اچھے برطانوی لیڈر میں سب سے اہم کون سی صلاحیت ہونی چاہیے؟" چرچل نے جواب دیا، "وہ بالکل صحیح پیش گوئی کر سکے کہ کل کیا ہوگا، پرسوں کیا ہوگا اور ترسوں کیا ہوگا! پھر ووٹروں کو سمجھا سکے کہ اس کی پیش گوئی کیوں غلط ثابت ہو گئی۔"

انمول موتی

مرسلہ: جمیل احمد قریشی، حیدرآباد

★ ان تینوں کی اطاعت کریں : خدا، رسول اور باشرع حاکم۔

★ ان تینوں کا احترام کریں : والدین، استاد اور علمائے کرام۔

★ ان تینوں کی خاطر لڑیں : دین، ملک اور عزت

★ ان تینوں کو پاک رکھیں : روح، جسم اور لباس۔
★ ان تینوں کا جائز استعمال کریں: نگاہ، زبان اور ہاتھ۔
★ ان تینوں میں اپنے آپ کو مشغول رکھیں : تلاوت، ذکر اور خدمت۔

کتابیں ہی کتابیں

مرسلہ: سرفراز عارف، کراچی

سارے ایشیا میں جاپانی سب سے زیادہ "پڑھاکو" قوم ہے اور دنیا بھر میں ان کے اشاعتی کاروبار کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ ہم نے محسوس کیا کہ جاپانی یا تو لکھتا ہے یا پڑھتا ہے۔ باتیں بہت کم کرتا ہے۔ جہاں جائیے لوگ، کتابیں پڑھنے اور خریدنے میں مصروف رہتے ہیں۔ ٹوکیو میں ایک محلہ ہے "کندا" جو شہنشاہ جاپان کے محل سے متصل ہے۔ اس میں ہر طرف کتابیں ہی کتابیں فروخت ہوتی ہیں۔ کتابوں کی اتنی بڑی دکانیں ہم نے کہیں نہیں دیکھیں۔ ہوٹلوں اور تفریح گاہوں میں بھی کتابوں کی فروخت کا نظام موجود ہے۔ کتاب خریدنے والوں کو اپنی علم کی پیاس بجھانے کے لیے بہت دور نہیں جانا پڑتا۔ چار پانچ سال کی عمر کے بچے بھی بڑے ذوق و شوق سے کتابیں نہ صرف خریدتے ہیں بلکہ انھیں پڑھتے بھی ہیں۔ جاپان کی آبادی تقریباً ساڑھے گیارہ کروڑ ہے اور سال بھر میں تقریباً ۸۰ کروڑ کتابیں فروخت ہوتی ہیں۔ گویا ہر جاپانی سال بھر میں ساڑھے چھے کتابیں ضرور خریدتا ہے۔

—— مجتبیٰ حسین (ہندستان)

زندگی اے زندگی

مرسلہ: شازیہ معین، کراچی

ماضی نے کہا کہ تو مجھے یاد رکھ، میں تیری زندگی بناؤں گا، تو مجھ سے تجربہ سیکھ اور زندگی گزار۔

حال نے کہا کہ ماضی اور مستقبل میں نہ الجھ، یہ دیکھ کہ تو آج کیا ہے۔ بس تو آج کی سوچ، اسی میں فلاح ہے۔

مستقبل نے صدا دی آج کا دن گزر جائے گا، تجھے کل کی فکر کرنا چاہیے۔ گزرتے ہوئے آج پر روشن مستقبل کی بنیاد رکھنے کی سوچ یہی زندگی ہے۔

میرے اندر سے صدا ابھری، "اے انسان، تجھے ماضی، حال اور مستقبل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے زندگی گزارنا چاہیے۔ ماضی کا تجربہ اور حال کا عمل ایک اچھے مستقبل کی ضمانت بن سکتا ہے۔"

احترام

مرسلہ، سید مشتاق احمد شاہ، گوٹھ عبدالرحیم کنرانی

حضرت داتا گنج بخشؒ ایک نوجوان کو دیکھ کر احتراماً کھڑے ہو گئے۔ کسی نے پوچھا، "حضرت! یہ آپ کس کی تعظیم کر رہے ہیں؟"

آپ نے جواب دیا، "یہ شخص جوان ہے اور میں تم سب کو حکم دیتا ہوں کہ جوانوں کا احترام کیا کرو۔"

اس شخص نے حیرت سے پوچھا، "وہ کیوں؟"

حضرت داتا گنج بخشؒ نے جواب دیا، "اس لیے کہ جوانوں کے گناہ کم ہوتے ہیں۔"

کھانا۔ ہنسنا، رونا

مرسلہ: حسن حماد، لطیف آباد سندھ

عمر بھر میں شاید ڈٹ کر میں نے کبھی کھانا کھایا ہوگا اور میری کیفیت بالکل اُن بزرگ کی سی تھی جو کسی دعوت میں جاتے تھے تو پہلے خوب کھل کھلا کر ہنستے تھے پھر رفتہ رفتہ ہنسی بند ہو جاتی تھی اور بالکل خاموش ہو جاتے تھے اور آخر میں رو پڑتے تھے، یہاں تک کہ چیخیں مارنے لگتے اور جب پوچھا جاتا تھا کہ حضرت، یہ کیا ماجرا ہے؟ تو فرمایا کرتے تھے کہ بھائی، جب اتنا لذیذ اور کثیر المقدار کھانا دیکھتا ہوں تو خوشی کو ضبط نہیں کر سکتا، پھر جب کھاتے کھاتے پیٹ بھرنے لگتا ہے تو اس فکر میں مبتلا ہو جاتا ہوں کہ جو کچھ دستر خوان پر ہے اس کو کس طرح ختم کروں۔ اور جب ناممکن ہو جاتا ہے کہ ایک نوالہ بھی اور کھاؤں تو باقی کھانے دستر خوان پر دیکھ کر آنسو نکل پڑتے ہیں اور میں عالمِ حسرت میں چیخیں مار کر نہ روؤں تو کیا کروں۔

—— مولانا محمد علی جوہر

نکتے

مرسلہ: شبیر بہادر، مجاہد آباد اورنگی

★ مصمم ارادہ ایک قلعے کی مانند ہے، جو خوف ناک لالچوں سے ہماری حفاظت کرتا ہے۔

★ بدبختی ہمیشہ اس دروازے سے داخل ہوتی ہے جو ہم اس کے لیے کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔

★ انسان کو تن درست رکھنے کے لیے اطمینان بہترین غذا ہے اور بہترین دوا بھی۔

★ اگر چڑیاں متحد ہو جائیں تو شیر کی بھی کھال کھینچ سکتی ہیں۔

★ پیسہ عقل مند کی خدمت کرتا ہے اور بے وقوف پر حکومت۔

★ انھیں وفادار نہ جانو جو تمھارے ہر قول و فعل کی تعریف کریں۔

حوصلہ افزائی

مرسلہ: محمود عالم راہی، شاہ پور چاکر

سب چیزیں چاہنے سے ہی ملتی ہیں اور ہر سچی دُعا قبول ہوتی ہے۔ ہم اُسی جیسے بن جاتے ہیں جو ہمارے من میں بسا ہوا ہو۔

لوگوں میں اُمنگ پیدا کرنے اور جوہر اُبھارنے کا ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ ہے تعریف و تحسین اور حوصلہ افزائی۔

محبّت کے روپ

مرسلہ: محمد طارق عباس بھان، مردان شہر

★ محبّت وطن سے ہو تو ایمان کا حصّہ بن جاتی ہے۔

★ محبّت خدا سے ہو تو بندگی بن جاتی ہے۔

★ محبّت اولاد سے ہو تو ممتا کا روپ دھار لیتی ہے۔

★ محبّت والدین سے ہو تو اطاعت بن جاتی ہے۔

★ محبّت دولت سے ہو تو مرض بن جاتی ہے۔
★ محبّت شریکِ حیات سے ہو تو زندگی بن جاتی ہے۔
★ محبّت اگر عشق کا روپ دھارے تو امبر بن جاتی ہے۔
★ محبّت دوست سے ہو تو راحت بن جاتی ہے۔
★ محبّت بے وفا سے ہو تو مصیبت بن جاتی ہے۔
★ محبّت استاد سے ہو تو روشنی بن جاتی ہے۔

دو الفاظ

مرسلہ: فرخ منظور، حیدرآباد

نصیحت: جس کی عقل مندوں کو ضرورت نہیں اور بے وقوف جس پر کان نہیں دھرتے۔

اکثریت: عوام کی وہ بڑی تعداد جو سوچنے سے اُکتا چکتی ہے اور یہ طے کر لیتی ہے کہ وہ اپنے بجائے کسی اور کی رائے پر عمل کرے گی۔

کل

مرسلہ، محمد غلام حسین، حیدرآباد

داناؤں کے رجسٹروں میں "کل" کا لفظ کہیں نہیں ملتا۔ البتہ بے وقوفوں کی جنتری میں بہ کثرت مِل سکتا ہے۔ عقل مندی اس لفظ کو قبول نہیں کر سکتی اور نہ سوسائٹی اس کو منظور کرتی ہے۔ یہ تو محض بچّوں کا بہلاوہ ہے کہ فلاں کھلونا تمھیں کل لے دیا جائے گا۔ یہ ایسے لوگوں کے استعمال میں آنے والی چیز ہے جو صبح سے شام تک خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں اور شام سے صبح تک خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ کام یابی کے شاہراہ پر بے شمار اپاہج سسکتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اپنی تمام عمر کل کا تعاقب کرتے ہوئے کھو دی اور اپنی قبر اپنے ہاتھوں سے کھودی۔ ہم اسی دھوکے میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے کہ کل ہمارے لیے اچھی اچھی نعمتیں اور فائدہ مند اشیا لے کر آئے گی، لیکن افسوس یہ محض دھوکا نکلا۔ ـــــ سرسید احمد خاں

مُسکراہٹ

مرسلہ: علی جوّاد مشیر، کراچی

مسکراہٹ کی اصل روح یہ ہے کہ دوسروں کو طمانیت بخشے اور ہمیں خود بھی سکون حاصل ہو۔ ایسی لازوال اور ابدی مسکراہٹ کے لیے ضروری ہے کہ آدم زادوں سے محبّت کرنا سیکھو۔ کسی سے نفرت نہ کرو۔ مسکراہٹ طرب کا اظہار بھی ہے اور الم کے انکار کا ذریعہ بھی۔ اس لیے ہمیشہ مسکراؤ۔ جتنا مسکراؤ گے غم اور دُکھ تم سے اُتنے ہی دُور بھاگیں گے۔

ایک شعر

مرسلہ: محمد قاسم شاہین، نئی کراچی

پروانہ ایک پتنگا، جگنو بھی ایک پتنگا
وہ روشنی کا طالب، یہ روشنی سراپا

ـــــ علامہ اقبال

طب کی روشنی میں جو نونہال سوالات بھیجتے ہیں وہ اپنا پورا پتا ضرور لکھیں۔ بغیر پتے کے خطوط کے جوابات دینے کے ہم پابند نہیں ہیں۔ سوالات کے ساتھ پتا ہو تو ڈاک سے بھی جواب دیا جا سکتا ہے۔ جو نونہال ڈاک سے جواب نہیں چاہتے وہ بھی اپنا پتا ضرور لکھیں، لیکن خط میں یہ لکھ دیں کہ صرف رسالے میں جواب دیا جائے، تو ان کو ڈاک سے جواب نہیں بھیجا جائے گا بلکہ رسالے ہی میں جواب شائع کیا جائے گا، چاہے کتنا ہی وقت لگے۔

پاؤں میں پسینا

س: میری عمر ۱۵ سال ہے۔ میرے پاؤں میں بہت پسینا آتا ہے، جس کی وجہ سے پاؤں میں کیچڑ بن جاتا ہے؟

محمد ایوب خاں، نواب شاہ

ج: میں آپ کی اس تکلیف کا کوئی یقینی علاج تجویز نہیں کر سکوں گا۔ عموماً اس کا تعلق عصبی نظام سے ہوتا ہے، مگر آپ نے ہاتھوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بعض پیروں کی جلد میں پسینے کی گلٹیاں قدرتی طور پر بھی ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کے معاملے میں صورت ایسی ہی ہو۔ آپ اگر چاے پیتے ہیں تو ایسا کیجیے کہ جو چاے کی پتیاں بچ جاتی ہیں اُن پتیوں کو رات کو تلوؤں پر لگائیے۔ صبح کھول دیجیے۔ شاید ان سے فائدہ ہو جائے۔

پیٹ میں درد

س: میری سہیلی کی عمر دس سال ہے۔ گرمی کے موسم میں اُس کے پیٹ میں درد ہوتا ہے اور اُسے پیچش کی شکایت ہو جاتی ہے۔ وہ کھانا بھی بہت کم کھاتی ہے، البتہ

سردی کے موسم میں وہ بالکل ٹھیک رہتی ہے اور اچھی طرح کھانا کھاتی ہے۔ اُس نے بہت علاج کرایا، مگر کوئی فرق نہیں ہوا۔ ازراہِ کرم کوئی علاج بتائیے؟

رخشندہ ممتاز تبسّم، ڈیرہ اسمٰعیل خان

ج: بہ ظاہر آپ کی ننّھی سہیلی کی بڑی آنتوں میں سوزش ہے۔ ان " بڑی بی" سے کہہ دیجیے کہ وہ مرچیں زیادہ نہ کھایا کریں اور یہ بھی کہ زیادہ چٹپٹی چیزیں بھی ان کی آنتوں کے لیے مُضر ہوں گی۔

اسپغول ۶ گرام لیجیے۔ آدھا گلاس پانی میں اسے ڈال کر خوب ملائیے یہاں تک کہ اسپغول کا لُعاب پانی میں آجائے۔ یہ لعاب ننّھی بی کو صبح اور شام کافی دِنوں تک پینا چاہیے۔ اس سے فائدہ ہوگا۔

نزلہ زکام رہتا ہے

س: مجھے ہر وقت نزلہ زکام رہتا ہے۔ اگر میں ٹھنڈا پانی یا لسّی وغیرہ پیوں تو اُسی وقت نزلہ ہوجاتا ہے اور تین دن بعد بخار بھی آجاتا ہے۔ ڈاکٹروں سے علاج کرایا، مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آپ ہی کوئی علاج بتائیے۔

رئیس رحمت اللّٰہ

ج: ذرا اپنا گلا تو دیکھیے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ آپ کے گلے بڑھ گئے ہیں اور ان میں ورم ہے (ٹانسلائٹس)۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کی ناک کی اندرونی جھلّی (غشائے مخاطی = میوکس ممبرین) کی حس بڑھ گئی ہو کہ جو عموماً ناک کی صفائی نہ رکھنے کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس وجہ سے بار بار زکام ہوجاتا ہے۔

سب سے پہلا کام یہ ہے کہ نیم کے تازہ پتّے پانی میں جوش دے کر چھان کر اُس سے ناک دھوئیے (اس طرح جیسے وضو میں پانی ناک میں سُڑکتے ہیں) اور اس سے غرارے (غرغرے) کریں۔ رات سوتے وقت ۱۵ - ۲۰ دن اس پر عمل کریں۔ دوا میں نسخہ ۳ (ہمدرد کا) جوش کر کے صبح ضرور پینا شروع کردیں۔ (اجزا: بیدانہ، عناب، سپستاں، خاکسی) اس سے فائدہ ہوگا۔ دوا سے زیادہ ناک کی صفائی اور غرارے ضروری ہیں۔

سینے میں درد

س: میری عمر ۱۵ سال ہے اور میں نویں جماعت میں پڑھتا ہوں، فُٹ بال کا بہترین کھلاڑی

ہوں، لیکن دوڑتے وقت سینے میں درد ہوتا ہے، سانس چڑھ جاتا ہے اور بہت تھک جاتا ہوں۔ براہِ کرم اس کی وجہ اور علاج بتائیے؟ مہربان اعظم، بستی اُسترانہ جنوبی

ج: مناسب یہ ہے کہ آپ کسی ماہر سے اپنے قلب کو چیک کرالیں۔ میں خود بھی فٹ بالر رہا ہوں اور جانتا ہوں کہ فُٹ بال سخت کھیل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے قلب کا کوئی والو وغیرہ خراب ہو۔ اگر ایسا ہے تو فُٹ بال کا کھیل ترک کرنا ہوگا۔

آنکھوں کے سامنے دُھند

س: جب میں پڑھتا ہوں تو میری آنکھوں میں تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے اور آنکھوں کے سامنے دُھندلاہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ کوئی ایسا نسخہ بتائیے جس سے میری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں۔ اورنگ زیب، مقام نامعلوم

ج: میرا مشورہ یہ ہوگا کہ آپ کسی ماہرِ چشم سے اپنی آنکھوں کا معائنہ کرائیے۔ بہ ظاہر ایسا لگتا ہے کہ آپ کا جگر کسی وجہ سے خراب ہے یا یہ کہ آپ ضرورت سے کم پانی پی رہے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں آنکھوں کے سامنے دُھندلاہٹ آسکتی ہے۔ شاید آدھا لیموں ایک گلاس ٹھنڈے پانی میں ملا کر روزانہ کافی دِنوں تک پینے سے فائدہ ہوگا۔

آنکھوں کے سامنے اندھیرا

س: میری عمر ۱۷ سال ہے۔ میں کتاب پڑھ کر اُٹھتا ہوں تو فوراً چکر آنے شروع ہو جاتے ہیں، چلتے وقت آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ محمد علی، کراچی

ج: میرا خیال ہے کہ آپ کی عام صحت کم زور ہے اور اس وجہ سے خون کا دباؤ وقتی طور پر کم ہو جاتا ہے۔ خون کی کمی کی صورت میں بھی آنکھوں تلے اندھیرا آسکتا ہے۔ آپ بالغ ہو گئے۔ یہ عمر بڑی احتیاط کی ہوتی ہے۔ اس عمر میں صحت کی حفاظت بڑی ہی ضروری ہوتی ہے اگر آپ نے اپنے ہاتھوں اپنی صحت کو خراب کر لیا تو پھر ساری عمر کی کم زوری آپ مول لیں گے۔ مناسب ہے کہ آپ احتیاط کا دامن پکڑیں۔

ٹی بی

س: میری عمر بیس سال ہے۔ صحت خراب ہے۔ دُبلا ہوں، مُٹاپے کے لیے اچھی سے اچھی خوراک کھائی، مگر جسم نہ بڑھنا تھا نہ بڑھا۔ دوست مذاق اُڑاتے ہیں۔ بہت پریشان

ہوں۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ٹی بی ہے۔ جب کہ ہمارے خاندان میں کسی کو یہ مرض نہیں ہے۔ میں سگریٹ بھی نہیں پیتا۔ پھر یہ مرض مجھے کیسے لگ گیا؟ ٹی بی کا مرض کس طرح لگتا ہے؟
نام نامعلوم، ملتان

ج: ٹی بی (ٹیوبر کلوسس۔ دق و سل) عام طور پر پھیپڑوں کا مرض ہے، مگر یہ جسم کے دوسرے اعضا کو بھی لگ سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ضرور صحیح تشخیص کی ہوگی۔ توقع ہے کہ آپ ان کا علاج باقاعدگی سے کر رہے ہوں گے۔

دق و سل پاکستان میں کافی پھیلا ہوا ہے۔ اس کی بڑی وجہ تو غربت ہے کہ غریب آدمی کو پوری اور اچھی غذا نہیں ملتی اور اس کا نظامِ ہضم کم زور ہو کر ہر آفت کا شکار ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہاں اکثر لوگ تازہ ہوا اور سورج کی روشنی کی ضرورت اور اہمیت کا شعور تک نہیں رکھتے۔ یہ دونوں چیزیں اگر میسر نہ ہوں تو دق و سل کے جراثیم (عصائے درنی۔ بیسے لائی ٹیوبر کل) کو پنپنے کا پورا موقع مل جاتا ہے۔ ہمارے ملک کے شہروں کی اکثریت کو تازہ ہوا میسر نہیں ہے۔ سورج کی اولین شعاعوں سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتا۔ حال آنکہ وہ صحت بخش ہوتی ہیں اور جسم کو وٹامن ڈی جذب کرنے کے قابل بناتی ہیں جو کیلسیم کو جزوِ بدن بنانے کے لیے ضروری ہے۔

بد قسمتی سے ٹیلے وژن جیسا موثر ذریعۂ ابلاغ اپنے ملک میں شعورِ صحت بیدار کرنے پر متوجہ نہیں ہے، ورنہ اکثر لوگ، اکثر امراض کی گرفت سے بچ سکتے ہیں۔

پتلے بازو

س: میری عمر ۱۴ سال ہے۔ قد ذرا لمبا ہے اور قد کے لحاظ سے باقی جسم تو ٹھیک ہے، مگر بازو اتنے پتلے ہیں جیسے بچّے کے ہوں۔
سیف اللہ کھوکھر، گوجرانوالہ

ج: مناسب ورزش بازوؤں کو قوی کر سکتی ہے۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اب مُگدروں کا زمانہ تو گیا، مگر ان مُگدروں کی جگہ ڈمبل آ گئے ہیں۔ ڈمبلوں کا ایک جوڑا خرید لیجیے، اور اُس کے ساتھ دی ہوئی ہدایات کے مطابق کلائیوں اور بازوؤں کی ورزشیں پابندی سے کیجیے اور ہاں ڈمبل ہونے ضروری تو نہیں ہیں، بغیر ڈمبل کے بھی یہ ورزش ہو سکتی ہے۔

ضمیر کی آواز

معراج

سردی کے دن تھے۔ آسمان پر چھائی ہوئی سرخی اس بات کو ظاہر کر رہی تھی کہ سورج نکلنے ہی والا ہے۔ عدنہ کے گلی کوچے اور بازار سنسان پڑے تھے۔

حسن نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں اور اپنی ٹانگوں کو پھیلا کر دو تین بار انگڑائی لی اور بولا، "اس طرح بے کار پڑے رہنے سے کیا فائدہ؟ باہر نکل کر گلی کوچوں کی سیر کرنی چاہیے۔"

وہ رضائی سے باہر نکلا۔ منھ ہاتھ دھویا، ٹوپی سر پر لی، گلے میں مفلر لپیٹا اور اپنا پھٹا پرانا کوٹ پہن کر گھر سے باہر نکل گیا۔

اس نے سوچا، "سب سے پہلے تو چشمے پر جا کر تازہ پانی پینا چاہیے۔ پھر میں علی کے اَصْطَبَلْ میں صفائی کروں گا۔ جب وہ اصطبل کو صاف ستھرا دیکھے گا تو مجھے بخشش دے دے گا جو میرے ناشتے کے لیے کافی ہو گی۔"

وہ گلی سے گزر کر بڑے چوک کی طرف مُڑا۔ اچانک وہ ٹھیر گیا۔ اس کے سامنے ایک پتنگ پڑا تھا، جو ایسا خوب صورت تھا کہ اُس نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ایسا پتنگ کسی شہزادے کا ہی ہو سکتا تھا۔ اس پر گہرے سرخ اور نیلے رنگ کی چمک دار دھاریاں تھیں۔ اس کی لمبی سی گوٹا کناری کی دُم تھی جس کے آخر میں سنہری کلابتون کا پُھندنا تھا۔

حَسن نے دل میں سوچا، جب یہ پتنگ اُڑتا ہو گا تو اس کی جَھل جَھل کرتی ہوئی دُم ہوا میں لہریے بناتی ہو گی۔ تماشائی بھی اس کی شان دیکھ کر دَنگ رہ جاتے ہوں گے، لیکن اب یہ بے حد خوب صورت پتنگ زمین پر پڑا ہوا ہے۔ شاید یہ کسی کی چھت پر رکھا ہوا ہو اور ہوا کے جھونکے کے ساتھ اُڑ کر یہاں آ گرا ہو۔ جہاں یہ پڑا ہوا ملا ہے وہیں امین کا مکان ہے جس کا باپ بہت امیر آدمی ہے۔"

اُس کے دل میں کشمکش ہونے لگی۔ کبھی خیال آتا کہ "یہ پتنگ اس کا ہے میں اسے واپس کر دوں۔" کبھی سوچتا کہ "کسی نے مجھے نہیں دیکھا ہے اگر میں یہ پتنگ لے جاؤں تو کیا فرق پڑے گا؟ امین کا باپ امیر آدمی ہے۔ وہ اس کے لیے اس سے بھی زیادہ خوب صورت بنوا دے گا۔"

جب بھی بہار کا موسم آتا، بچّے بالے چمکیلی دھوپ میں اپنے گھروں پر چڑھ جاتے اور پتنگ اُڑانے لگتے۔ حَسن کا دِل بھی چاہتا کہ کاش میں بھی ان بچّوں میں سے ایک ہوتا۔

قریب ہی کسی نے کتّے کو پتھر مار کر بھگایا۔ کتّے کی آواز سُن کر حَسن کے خیالوں کا سلسلہ ٹوٹا۔ اس نے پتنگ کو اُٹھایا، اس کی لمبی سی دُم اور ڈور کو لپیٹا۔ پھر اُس نے پتنگ کو اپنی چادر میں چُھپایا اور علی کے اصطبل کی طرف تیزی سے دوڑا۔ اب اُسے یہ نئی فکر ستانے لگی کہ اتنے بڑے پتنگ کو کہاں چھپایا جائے؟

علی کے اصطبل کے ساتھ ہی ایک بھوسے کی کوٹھڑی تھی۔ اُس کے ایک تاریک سے کونے میں حَسن نے پتنگ چُھپا دیا۔

اُس دن حَسن نے خوب دل لگا کر کام کیا۔ گھوڑوں کی کُھرلی کو صاف کیا، اُس میں تازہ بُھوسا ڈالا، پھر جھاڑو سے فرش صاف کرکے لید اور کوڑا کچرا نکالا۔ پانی ڈال کر فرش کو دھویا۔ علی بھی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا، "واہ بھئی واہ، آج تو تم نے بہت کام کیا ہے۔ اس سے پہلے تو تم پانچ منٹ سے زیادہ اصطبل میں ٹھیرتے نہیں تھے، لیکن بیٹا، کام چاہے تم کتنا ہی کرو، میں تمھیں پیسے اتنے ہی دوں گا۔"

حسن نے مسکرا کر کہا، "اجی پیسوں کی خاطر تو سب کام نہیں کیے جاتے نا۔ آج جب میں جاگا تو میں نے دیکھا کہ پہاڑوں کی برف پگھل چکی ہے۔ بہار کا موسم آگیا ہے۔ اس موسم بہار میں، میں بارہ برس کا ہو جاؤں گا۔ اگلے دو تین سال بعد میں جوان ہو جاؤں گا، پھر میری شادی ہو جائے گی۔ میں بھی آپ کی طرح گھوڑوں کا اصطبل رکھوں گا۔"

علی نے ایک زور دار قہقہہ لگایا اور بولا، "واہ رے شیخ چلی، باتیں کرنا تو کوئی تم سے سیکھے۔ اچھا اب اپنی دنیا میں واپس آجاؤ اور میرے ساتھ بیٹھ کر ناشتا کرلو۔"

ناشتے کے بعد علی، حسن کو اپنے ساتھ لے گیا اور اُسے گھوڑوں پر زین کسنی سکھائی۔ دوپہر کے وقت جب علی کھانا کھانے کے لیے گیا تو اصطبل کو تالا لگا دیا۔ حَسن خوش ہو کر بولا، "چلو کچھ دیر کے لیے پتنگ محفوظ ہو گیا۔ اب میں بے فکری سے بازار کی سیر کروں گا۔"

وہ سیدھا اپنے دوست محمود کے پاس پہنچا۔ اس کا دادا گلی کے نُکڑ پر تنور لگاتا تھا۔ دُکان سے کچھ فاصلے پر حسَن رُک گیا اور اس نے دو بار کتّے کی آواز نکالی۔ ان دو دوستوں کے درمیان بہت مُدت سے یہ خفیہ اشارہ چلا آرہا تھا۔ محمود نے دروازے سے باہر جھانک کر دیکھا اور آہستہ سے بولا، "میں باہر نہیں آسکتا، کیوں کہ ابھی میں تنور میں روٹیاں لگا رہا ہوں۔"

حسن نے پوچھا، "کیا آج تم بازار گئے تھے؟"

محمود نے کہا، "میں ابھی بازار میں گھوم پھر کر آرہا ہوں۔"

حسن بولا، "کیا کسی کا لال اور نیلے رنگ کا پتنگ کھو گیا ہے؟"

محمود نے کہا، "ارے ہاں، امین بہت زور زور سے چیخ رہا تھا کہ کسی نے اس کا پتنگ چُرا لیا ہے۔"

حسن نے محمود کے کان میں سرگوشی کی، "آج صبح مجھے گلی میں امین کا پتنگ ملا تھا۔ یہ

بات تم کسی سے نہیں کہنا۔"
محمود بولا، "میں کسی سے نہیں کہوں گا تم اطمینان رکھو۔"
حسن بولا، "اگر یہ پتنگ تمھارا ہوتا تو میں اسے تمھیں لوٹا دیتا، لیکن امین کی بات اور ہے۔ وہ سیکڑوں پتنگ خرید سکتا ہے۔"
محمود نے تعجب سے پوچھا، "کیا یہ پتنگ تمھیں بہت اچھا لگا؟"
حسن بولا، "کاش کہ تم اسے ایک نظر دیکھ لیتے، پھر تم بھی میری طرح اس پتنگ کو پسند کرتے۔ لوگ گلی محلوں میں جو پتنگ اُڑاتے ہیں، یہ پتنگ اُن سب سے بڑا ہے۔ اس کی گوٹا کناری کی دُم ہے اور اس میں سُنہرا پھُندنا لگا ہوا ہے۔"
محمود نے کہا، "اگر امین نے دیکھ لیا تو کیا ہو گا؟"
حسن نے کہا، "میں جانتا ہوں کہ وہ بہت شور مچائے گا۔ وہ ایک ہنگامہ کھڑا کر دے گا۔"
محمود بولا، "تم اسے چھت پر کھڑے ہو کر نہیں اُڑا سکتے، کیوں کہ تمھاری چھت بہت کم زور سی ہے۔ میرے دادا کی چھت بھی تمھارے مطلب کی نہیں، کیوں کہ یہ سب سے نیچی چھت ہے۔"
حسن بولا، "میں یہ سب جانتا ہوں۔ فکر نہ کرو، میں کوئی اور ترکیب سوچوں گا۔ میں نے امین کے پتنگ کو حفاظت سے رکھ دیا ہے۔"
اندر سے کسی نے زور سے آواز دی، "محمود، ارے کم بخت، روٹیاں جل کر کوئلا بن گئی ہیں۔"
محمود گھبرا کر بھاگا۔ حسن نے دو دفعہ کتّے کی آواز نکالی، یہ الوداعی سلام تھا۔
غدنہ کے بچّے میدان میں کھڑے ہوئے ایک فوجی دستے کو پریڈ کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ حسن نے دیکھا کہ مجمع کے اندر امین بھی کھڑا ہوا ہے۔ وہ امین کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ جب پریڈ ختم ہو گئی تو حسن، امین اور کچھ دوسرے لڑکے کھیلنے کے لیے ٹھیر گئے۔ اچانک کسی کے جواب میں امین نے زور سے کہا، "ابّو جان اگلے ہفتے انتب جا رہے ہیں۔"
حسن نے پوچھا، "کیا تم بھی ان کے ساتھ جاؤ گے؟"

امین حسرت سے آہ بھر کر بولا، "مجھے وہاں جانے کی بہت تمنا تھی، لیکن میرے لیے گھوڑے کا انتظام نہیں ہو سکا۔"

حسن کو ایک بہت عمدہ ترکیب سوجھی۔ اگلی صبح جب وہ اصطبل میں گیا تو اس نے کہا، "میرے آقا، کیا آپ یہ عربی گھوڑا فروخت کرنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں، ہاں بھئی، میں بہت دنوں سے اسے بیچنے کی فکر میں ہوں، لیکن کوئی ڈھنگ کا گاہک ہی نہیں ملتا۔ کیا کوئی اس گھوڑے کو خریدنا چاہتا ہے؟"

حسن نے کہا، "امین کا باپ جو شہر کا مشہور تاجر ہے، ایک سفر پر جا رہا ہے۔" یہ کہہ کر حسن چپ ہو گیا اور علی کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ کچھ دیر کے بعد حسن نے دوبارہ کہا۔ "وہ امین کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے، لیکن اس کے پاس امین کی سواری کے لیے گھوڑا نہیں ہے۔ یہ چھوٹا سا گھوڑا امین جیسے لڑکے کے لیے بالکل موزوں رہے گا۔"

علی کی آنکھوں میں ایک چمک آگئی۔ وہ بہت راز داری سے بولا، "امین کا باپ تو بہت مال دار آدمی ہے۔ وہ اس گھوڑے کے اچھے دام لگا دے گا۔"

حسن یہ خبر سنانے کے لیے محمود کے گھر پہنچا۔ اس نے پُرجوش لہجے میں کہا، "امین کے لیے گھوڑے کا بندوبست ہو گیا ہے۔ وہ تو اپنے باپ کے ساتھ سفر پر روانہ ہو جائے گا اور خادم یعنی کہ میں مدینہ کے گلی کوچوں میں پتنگ اڑاؤں گا۔"

محمود ہنس کر بولا، "تمھارے اندر عقل کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور تمھارا دماغ ہر وقت تکڑم لڑانے میں مصروف رہتا ہے۔"

کچھ دن بعد امین اور اس کا باپ انتب جانے کے لیے تیار تھے۔ محمود، حسن اور بہت سے دوسرے لوگ انھیں الوداع کہنے کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔ حسن بولا، "سفر کے لیے آج کا دن بہت خوش گوار ہے۔ جناب، یہ کیسی خوش نصیبی کی بات ہے کہ آپ کا بیٹا بھی آپ کے ساتھ جا رہا ہے۔ خدا آپ کو یہ سفر مبارک کرے۔"

جب امین گھوڑے پر سوار ہوا تو بہت سے لوگوں نے مبارک باد پیش کی۔ امین نے کہا، "میں اس کی چال دیکھنا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کو ایک ایڑ لگائی۔ وہ اسے دوڑاتا ہوا بڑے چوک تک لے گیا۔ پھر اُسے موڑ کر واپس لایا۔ حسن نے دل میں سوچا

"امین خوش ہو گیا ہے۔ اُس کا پتنگ لے کر مجھے جو خوشی حاصل ہوئی ہے، میں نے اس سے کہیں زیادہ خوشی اسے پہنچا دی ہے۔ حساب برابر ہوا، اب یہ پتنگ میرا ہے۔"

اچانک اس کے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا، "جو خیال اس کے ذہن میں آ رہے ہیں وہ صحیح ہیں یا غلط؟ کیا پتنگ واقعی اس کا ہے؟"

وہ جتنا سوچتا، اس کی ذہنی پریشانی بڑھتی ہی جاتی۔ جس دن پتنگ ملا تھا، اُس وقت سے لے کر اب تک اس موضوع پر سوچنے کا موقع ہی نہ مل سکا، لیکن اب اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا۔ اُسے رہ رہ کر یہ خیال آ رہا تھا کہ یہ پتنگ امین کا ہے۔ اُس نے پتنگ چُھپا کر کوئی اچھا کام نہیں کیا۔ اس میں اور ایک چور میں فرق ہی کیا رہ گیا ہے؟

امین گھوڑے کو دوڑاتا ہوا واپس پہنچا۔ حسن بہت تیزی سے لپک کر اُس کے پاس پہنچا۔ اُس نے گھوڑے کی لگام تھامی اور امین سے کہا، "امین تمھیں اپنا لال اور نیلا پتنگ تو یاد ہو گا؟ ایک رات یہ ہوا سے اُڑ کر گلی میں جا گرا تھا، مجھے معلوم ہے کہ تمھارا پتنگ کہاں رکھا ہوا ہے۔ کیا تم اسے واپس لینا چاہو گے؟" حسن نے بہت مشکل سے اٹک

اٹک کر یہ جملے ادا کیے۔

امین یہ بات سُن کر بہت حیران ہوا۔ وہ بولا" میرا نیلا اور لال پتنگ؟ ٹھیک، میں سمجھ گیا کہ یہ کہاں ہو سکتا ہے۔ جب یہ پتنگ کھو گیا تھا تو میں نے ایک اور پتنگ لے لیا تھا۔ اب مجھے کسی پتنگ کی ضرورت نہیں، کیوں کہ میں سفر پر جا رہا ہوں۔ حسن اگر تم چاہو تو پتنگ کو اپنے پاس ہی رکھ لو۔"

حسن نے مسرت اور اطمینان کا سانس لیا۔ اُس کے دل کا بوجھ اب اُتر چکا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

امین کے والد کا قافلہ سفر کے لیے چلنے لگا، امین اُچھل کر اپنے گھوڑے پر بیٹھ گیا اور اپنے والد کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ مجمع سے خدا حافظ، فی امان اللہ کی آوازیں آنے لگیں۔ حسن کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ اس نے بہت زور سے کہا،" فی اَمَانِ اللہ میرے دوست امین۔"

وہ تیز رفتاری سے دوڑتا ہوا اپنے دوست محمود کے پاس پہنچا۔ گلی میں ایک سبزی فروش کہہ رہا تھا" کیسی تیز ہوا چل رہی ہے۔"

اُدھر حسن محمود سے کہہ رہا تھا،" ایسی تیز ہوا میں پتنگ بہت اونچا اُڑتا ہے۔ آؤ میرے دوست، پتنگ اُڑانے چلیں۔"

بوجھو تو جانیں ـــــ پچھلے مہینے کے جوابات

(۱) میرے پیارے ماموں جان، آپ کی خدمت میں آپ کے بھانجے کا سلام۔ (۲) آنکھیں کھولتے ہیں۔ (۳) سانپ اور مچھلی۔ (۵) ایک انتظار کی گھڑیاں گنتا ہے دوسرا گھڑیاں بیچتا ہے۔ (۶) تاش۔ (۷) "ن" یہ لفظ سمندر (س م ن د ر) کے درمیان میں واقع ہے۔ (۸) آسمانی بجلی۔

****

ایکس ریز

علی ناصر زیدی

یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں بہت سی مفید چیزیں محض اتفاقیہ طور پر دریافت ہوئیں۔ اُن میں ایکس ریز بھی شامل ہے۔ ایکس ریز کے متعلق ہمارے بچّے اکثر ہم سے سوالات پوچھتے رہتے ہیں۔

۱۸۹۶ء کی بات ہے کہ ایک جرمن پروفیسر وِلہلم کونراڈ رنتجن (WILHELM KONRAD RONTGEN) نے اپنے تجربات کے دوران یہ مشاہدہ کیا کہ چند فوٹو گرافک پلیٹیں جو انھوں نے میز کی ایک دراز میں رکھ دی تھیں، خود بہ خود دھندلی پڑ گئیں۔

آپ نے کبھی کیمرا استعمال کیا ہوگا اور یہ بات جانتے ہوں گے کہ فوٹو گرافک فلم یا پلیٹ اُس وقت تک دُھندلی نہیں پڑ سکتی جب تک اُس پر کسی طرف سے روشنی نہ پڑ جائے۔ رنتجن کو بھی یہی فکر ہوئی کہ پلیٹیں تو چاروں طرف سے اچھی طرح بند تھیں، دھندلی کیسے پڑ گیئں۔ تحقیقات کرنے پر پتا چلا کہ برقیات کی ایک رو ایک ویکوم ٹیوب یا خالی نلکی سے نکل کر پلیٹوں تک پہنچ گئی۔

ویکوم ٹیوب شیشے کی ایک نلکی ہوتی ہے جس کے دونوں سروں پر دھات کی دو سلاخیں یا پلیٹیں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ ایک پلیٹ کو مثبت بجلی سے اور دوسری کو منفی سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ ایک لیمپ کے ذریعہ سے ٹیوب کی ہوا باہر نکال دی جاتی ہے۔ جب اُس میں خلا پیدا ہو جاتا ہے تو منفی پلیٹ سے الیکٹرون یا برقیات کی ایک رو مثبت پلیٹ کی طرف جاری ہو جاتی ہے۔

رنتجن صاحب نے جب ایسی ہی ایک نلکی میں ایک گیس کے اندر سے برقی رو گزاری تو انھوں نے دیکھا کہ تاریک کمرے میں ایک پردہ جس پر کیمیائی مسالا چڑھا ہوا تھا، یکایک چمک اُٹھا، کیوں کہ منفی پلیٹ سے خارج ہونے والے برقیات ایک عجیب قسم کی تابناکی پیدا کر رہے تھے۔ ٹیوب سے ایسی شعاعیں نکل رہی تھیں جن کا تجربہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

رنتجن کو اس موضوع سے اور زیادہ دل چسپی پیدا ہو گئی اور انھوں نے کچھ اور تجربات کیے۔ انھوں نے دیکھا کہ یہ شعاعیں سیاہ کاغذ بلکہ دروازے تک کے آر پار نکل جاتی ہیں۔ موٹی لکڑی بھی اُنھیں نہیں روک سکتی۔ اس سے انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ شعاعیں روشنی کی کرنوں سے قطعی مختلف ہوتی ہیں۔ شروع میں وہ ان کی حقیقت کو اچھی طرح نہ سمجھ سکے، اس لیے اُن پر ضرب کا

نشان × لگادیا اور یوں ان شعاعوں کا نام ایکس ریز پڑ گیا۔

یہ تھی ایکس ریز کی ابتدا۔ بعد میں سائنس دانوں نے اُن کے متعلق سب کچھ معلوم کر لیا، لیکن نام اُن کا ایکس ریز ہی رہا جو ابھی تک باقی ہے۔ اب ہم جانتے ہیں کہ ایکس ریز نہایت تیز شعاعیں ہوتی ہیں۔ اُن میں گھسنے کی زبردست قوت ہوتی ہے۔ انھیں حاصل کرنے کے لیے ایکس رے ٹیوب استعمال کیا جاتا ہے جس کی بناوٹ ویکوم ٹیوب سے ملتی جلتی ہے۔ اُس کے اندر بھی مکمل خلا رکھا جاتا ہے۔ منفی پلیٹ سے برقیات نکل کر ایک سخت دھات پر گرتے ہیں اور پھر اس دھات سے ایکس ریز پھوٹتی ہیں۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ ایکس ریز گوشت کے علاوہ ہماری ہڈیوں میں سے بھی گزر جاتی ہیں تو انھیں سرجری اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کی تصویر لینے کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ اس سے پہلے یہ ممکن نہ تھا۔ ایکس ریز گوشت اور ہڈی کی صاف تصویر کھینچ دیتی ہیں، اس لیے ان کی وجہ سے جراحی (سرجری) میں نئی آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

ایکس ریز میں فوٹوگرافک فلم اور پلیٹوں پر اثر ڈالنے کی صلاحیت ہوتی ہے، اس لیے کم قیمت پر دِق کے مریضوں اور جنگ میں زخمی ہونے والوں کی صحیح تشخیص آسان ہو گئی۔ گوشت میں پھنسی ہوئی گولی، سوئی، ٹوٹی ہوئی ہڈی کی کرچیں، ہڈی کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا اور پھیپڑوں تک کے نقائص ایکس ریز کے ذریعے سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ دانت کی ٹوٹی ہوئی جڑ ایکس ریز سے ہی واضح ہوتی ہے۔

طبی خدمات کے علاوہ ایکس ریز صنعت و حرفت میں بھی مفید ثابت ہوئی ہیں۔ مثلاً بحری جہازوں کے پیندے کے باریک شگاف آنکھ سے نظر نہیں آتے، لیکن وہ ایکس ریز کے ذریعے سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ دھاتوں کے جوڑ، اصلی اور نقلی ہیروں کی پہچان اور دھات سے بننے والی مشینوں کی ٹوٹ پھوٹ ایکس ریز کے ذریعے سے معلوم ہو جاتی ہے۔ پیکٹ کو کھولے بغیر اس کے اندر کا حال معلوم کرنے کے لیے ایکس ریز سے ہی تصویر لی جاتی ہے، لیکن انسانی جلد اور خلیوں پر ایکس ریز کا بُرا اثر بھی پڑتا ہے، اس لیے انھیں خواہ مخواہ زیادہ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ جب انتہائی ضرورت ہو صرف اسی وقت انسانی جسم کے کسی حصّے کی ایکس ریز تصویر بنوانی چاہیے۔

نیچے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات ۱۵ جنوری ۱۹۸۴ء تک ہمیں بھیج دیجیے اور ان پر معلومات عامہ ۲۱۳ ضرور لکھ دیجیے۔ جواب الگ کاغذ پر نمبروار لکھیے۔ جواب کے نیچے اور تصویر کے پیچھے اپنا نام، پتا اور اپنے شہر یا قصبے کا نام ضرور لکھ دیجیے۔ ایک سے زیادہ نام ہونے کی صورت میں صرف پہلا نام ہی شمار کیا جائے گا۔

(۱) قرآن کریم کی کس سورت میں غزوہ اُحد کا مفصّل ذکر ہے؟

(۲) اگر آپ مغرب کی طرف منھ کر کے کھڑے ہوں تو بتائیے آپ کے بائیں طرف کون سی سمت ہوگی؟

(۳) دانتوں اور مسوڑوں کی بیماریاں عموماً کس حیاتین (وٹامن) کی کمی سے ہوتی ہیں؟

(۴) وہ کون سا مشہور کھیل ہے جس کے بارے میں عمر خیام نے رباعیاں لکھیں اور امریکی شخصیت بنجمن فرینکلن نے اپنے مضامین میں اس کھیل کی مدح سرائی کی؟

(۵) "طِب کا جدّ امجد" کسے کہا جاتا ہے؟

(۶) رلّی پاکستان کے کس صوبے کا روایتی بچھونا ہے۔

(۷) دنیا میں سب سے پہلی انشورنس کمپنی کہاں قائم ہوئی۔

(۸) بتائیے دس رُپے کا ستّرہ فی صد کتنا ہوگا۔

(۹) وہ کون سا پرندہ ہے جس کے انڈے کا وزن اس کے وزن کے چوتھائی حصّے کے برابر ہوتا ہے۔

(۱۰) سوڈان، روس، امریکا۔ بتائیے ان ممالک میں سے کس ملک کا رقبہ سب سے زیادہ ہے۔

ٹٹّو الیکشن جیت گیا

۱۹۳۸ء میں واشنگٹن سے ڈیمو کریٹک پارٹی کے میئر تے ری پبلیکن پارٹی کی طرف سے ایک ٹٹّو کھڑا کیا، مقصد محض یہ ثابت کرنا تھا کہ ووٹر ووٹ دیتا ہے، امیدوار کی قابلیت نہیں دیکھتا۔ عجیب و غریب بات یہ ہے کہ ٹٹّو اکیاون ووٹوں سے جیت گیا اور دستخط کے لیے مسودے پر اپنے کھُر کا نشان ثبت کیا۔

مرسلہ: جعفر رضا رضوی، خیر پور میرس

دنیا کا سب سے مختصر وصیت نامہ

دنیا کا سب سے بڑا وصیت نامہ ۸۰۰ صفحات پر مبنی ہے۔ تاریخی اہمیت کا حامل یہ وصیت نامہ لندن کے عجائب گھر میں محفوظ ہے، لیکن دنیا کا سب سے مختصر وصیت نامہ بھی ہے جو ایک ڈوبتے ہوئے بحری جہاز کے مسافر نے انڈے کے چھلکے پر لکھا تھا۔ اس مختصر وصیت نامے کا مضمون صرف اتنا تھا:

"میرا سب کچھ میری بیوی کا۔"

مرسلہ: شہباز احمد، کراچی

معدے میں پرورش پانے والے مینڈک

شمال مشرقی اوسٹریلیا کے دو پہاڑی سلسلوں کی دراڑوں میں ایک خاص قسم کا مینڈک پایا

جاتا ہے۔ یہ دودھ نہ پلانے والا جانور اپنے معدے میں بچّے کی پرورش کرتا ہے اور وقت پورا ہونے پر اسے اُگل دیتا ہے۔ ماہرین کے مطابق مادہ مینڈک انڈے دینے کے بعد اسے نگل جاتی ہے۔ آٹھ ہفتوں کے بعد ماں ان بچّوں کو اُگل دیتی ہے۔ معدے میں بچّے کو خوراک کس طرح ملتی ہے، یہ بات ابھی ایک راز ہے جس پر سائنس داں تحقیق کر رہے ہیں۔ مرسلہ: احمد افضال، کراچی

موم بتّی نما پھل

پانامہ میں ایک ایسا درخت پایا جاتا ہے جس کے پھل کی شکل موم بتّی سے مشابہ ہے۔ یہ پھل مویشی بڑے شوق سے کھاتے ہیں جسے کھانے کے بعد اُن کے گوشت اور دودھ سے سیب جیسی خوش بُو آتی ہے۔ پانامہ میں اس پھل کے رس سے موم بتّی بھی بنائی جاتی ہے۔

مرسلہ: نامعلوم

انسان اور درندہ

جنوبی افریقہ میں ۱۲ سالہ بچّے نے ایک اژدہے کو کاٹ کاٹ کر ہلاک کر دیا۔ اس لڑائی میں اژدہے نے بچّے کو گرفت میں لے کر زمین پر گرا دیا تھا اور اپنا سَر بچّے کے چہرے کے قریب لے آیا تھا۔ بچّے نے اژدہے کے سَر اور گردن کو دانتوں سے کاٹنا شروع کر دیا۔ جس کے نتیجے میں اژدہا مر گیا، پھر یہ بچّہ اس اژدہے کو ایک بڑی ٹوکری میں لے کر پولیس اسٹیشن پہنچ گیا۔ مرسلہ: آسیہ خانم، کراچی

بولنے والا ہاتھی

ماسکو کے علاقے قازقستان کے ایک چڑیا گھر میں ایک ۱۳ سالہ ہاتھی "بطائر" نامی کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ بات کرنا جانتا ہے اور بھونڈی مردانہ آواز میں یہ کہہ سکتا ہے کہ "میں بطائر ہوں، بطائر کو کوئی چیز پینے کے لیے دو۔" ہاتھیوں کے ایک ماہر دی گارگٹ کا کہنا ہے کہ یہ بات حیرت انگیز ہے۔ مرسلہ: عباد اللہ، ملیر ہالٹ
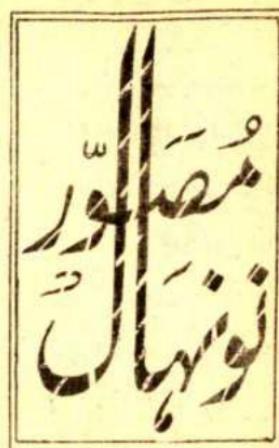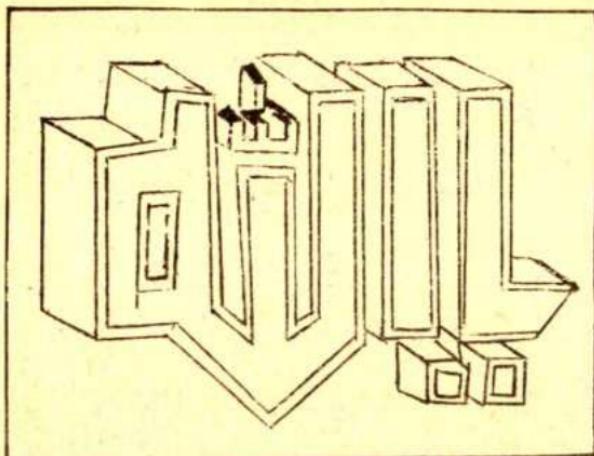
محمد ندیم عقیل، حیدرآباد
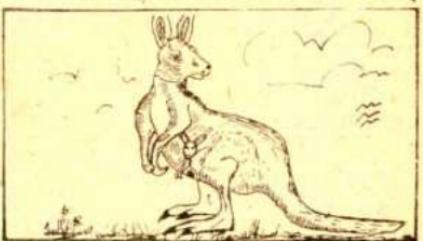
مرزا شاہ جہاں فیضی، کراچی

جمیل احمد خاں، کراچی

صائمہ ناصر شامی، لاہور

رضوان شبیر، بہاول نگر

محمد صفدر، ناڑہ اٹک
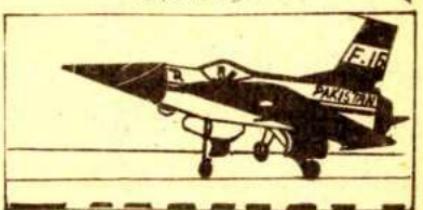
س: جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں، تو آنکھ کی اندرونی دیوار پر اُس کا اُلٹا عکس بنتا ہے، لیکن ہمیں چیزیں سیدھی کیوں نظر آتی ہیں؟

محمود ہارون چھوٹانی، کراچی

ج: یہ درست ہے کہ آنکھ کے پردے پر سامنے کی اشیا کا عکس اُلٹا بنتا ہے، لیکن ہم شروع سے چیزوں کو سیدھا دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ آنکھ کے اندر ہماری یہ عادت سرایت کر جاتی ہے، لیکن جن رگوں اور ریشوں سے عکس بننے کی اطلاع ہمارے دماغ تک جاتی ہے، وہ اس عکس کو سیدھا دیکھنے کا احساس دلاتے ہیں اور یوں ہم چیزوں کو اُلٹا نہیں، بلکہ سیدھا دیکھتے ہیں۔

س: سمندروں کی گہرائی اور پہاڑوں کی اُونچائی کس طریقے سے ناپی جاتی ہے؟

محسن رجب علی، نواب شاہ

ج: سمندروں کی گہرائی ناپنے کے لیے آواز کی لہروں سے مدد لی جاتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ آواز پانی میں کس رفتار سے چلتی ہے۔ اگر آواز کے سمندر کی تہ تک جانے اور پھر واپس آنے کا وقفہ معلوم کر لیا جائے تو گہرائی نکالی جا سکتی ہے۔ پہاڑوں کی اونچائی ناپنے کے لیے ہوائی دباؤ سے مدد لی جاتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جیسے جیسے ہم اوپر جاتے ہیں ہوا کے دباؤ میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ ہمیں وہ شرح بھی معلوم ہے جس شرح سے ہوا کا دباؤ اونچائی کے ساتھ کم ہوتا جاتا ہے، لہٰذا اگر کسی پہاڑ پر ہوا کا دباؤ معلوم کر لیا جائے تو اس شرح کی مدد سے اُس کی

بلندی بھی معلوم کی جا سکتی ہے۔

س: بعض لوگوں کے کہنے کے مطابق ہماری زمین کے نیچے بھی ایک دنیا آباد ہے۔ کیا یہ حقیقت ہے؟
صفدر حسین مفکری، کراچی

ج: اب تو معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی جانتا ہے کہ ہماری زمین آٹھ ہزار میل قطر کا ایک کُرہ ہے۔ جس کے اندر اب بھی آگ بھری ہوئی ہے اور مختلف دھاتیں پگھلی ہوئی یا گیس کی حالت میں موجود ہیں۔ آبادی جو کچھ ہے تو یہی اس کی سطح پر ہے، یا اس کے سمندروں میں ایک انوکھی دنیا آباد ہے۔ اس کے علاوہ اوپر نیچے اور کوئی دنیا نہیں ہے۔

س: جب کسی پھول کو توڑ کر پانی میں ڈال دیتے ہیں تو وہ تازہ کیسے رہتا ہے؟
سید کامران حیدر، کراچی

ج: پانی تمام پھولوں اور پودوں کی جان ہوتا ہے۔ پودوں میں باریک رگ ریشے ہوتے ہیں، جن کے ذریعہ سے پانی چڑھ کر انھیں تازگی عطا کرتا ہے۔ پھولوں میں بھی یہی تری، حُسن و تازگی لاتی ہے۔ جب ہم کوئی پھول توڑ کر پانی میں ڈالتے ہیں تو یہ تری اُس کے اندر چلی جاتی ہے اور وہ اپنے پودے سے جُدا ہو جانے کے باوجود دو چار دن اُسی طرح ترو تازہ رہتا ہے۔

س: حیات کی ابتدا کے بارے میں کتنے نظریات ہیں اور کس نظریے کو درست تسلیم کیا جاتا ہے؟
محمد زاہد حبیب قریشی، حیدرآباد

ج: سائنس دانوں میں سب سے مقبول نظریہ یہ ہے کہ حیات کی ابتدا پانی سے ہوئی، یعنی پانی میں نہایت سادہ قسم کا جان دار پیدا ہوا۔ اس سے بڑے جان دار پیدا ہوئے، پھر کسی آبی جان دار کے جی میں آئی کہ چل کر خشکی کی سیر کی جائے، اور یوں خشکی پر حیات آئی، جس نے ترقی کرنی شروع کی۔ دیو قامت جانوروں کا راج ہوا اور اس کے بہت بعد کہیں انسان کی شکل نمودار ہوئی۔ ارتقا کا یہ نظریہ بہت سے سائنسی خیالات کی بنیاد ہے اور ڈارون

نے پیش کیا تھا، لیکن مذہبی لحاظ سے اس نظریے کو درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

س: سردی کے موسم میں صبح شام کے وقت پہاڑوں اور گھاٹیوں پر دُھند کیوں چھا جاتی ہے؟
فضل ربی راہی، مینگورہ سوات

ج: پہاڑوں پر نباتات کی افراط ہوتی ہے۔ نمی کی کمی بھی نہیں ہوتی۔ سورج غروب ہوتے ہی دن بھر کی حرارت تیزی سے فضا میں غائب ہونے لگتی ہے اور خشکی کی وجہ سے ابخرات میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہی ابخرات دُھند پیدا کرتے ہیں اور ان سے ہی شبنم بنتی ہے جس کی پہاڑوں پر کوئی کمی نہیں ہوتی۔

س: سردیوں کے موسم میں ہمارے منھ سے دھواں کیوں نکلتا ہے؟
شفقت اشرف، گجرات۔ اختر محمود، لانڈھی، کراچی

ج: ہمارے منھ میں ہر وقت حرارت موجود رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹمپریچر معلوم کرنے کے لیے ہم اپنے منھ میں تھرمامیٹر لگاتے ہیں۔ سردیوں میں ہمارے منھ اور بھاپ کا درجۂ حرارت باہر کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے اس لیے جب ہم منھ سے بھاپ نکالتے ہیں تو اُس کی نمی باہر کی خنکی کی وجہ سے فوراً ابخرات میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ ابخرات ہی ہمیں دھوئیں کی شکل میں نظر آتے ہیں اور ہم کہتے ہیں ہمارے منھ سے دھواں نکل رہا ہے۔

س: کیا بجلی کا کرنٹ لگنے سے آدمی کا خون سُکڑ جاتا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو خون کہاں جاتا ہے؟
راشد طفیل، جام شورو کالونی

ج: نہیں، کرنٹ لگنے سے خون سُکڑ نہیں جاتا بلکہ وہ کرنٹ کا موصل (کنڈکٹر) بن جاتا ہے اور کرنٹ ہمارے جسم سے ہوتی ہوئی زمین میں اُترنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس شورٹ سرکٹ میں انسان کو اس لیے نقصان پہنچتا ہے کہ دل اس برقی حملے اور صدمے کی تاب نہیں لاتا اور کام کرنا بند کر دیتا ہے۔ دل کے ٹھہرتے ہی خون کی روانی بھی رُک جاتی ہے اور

انسان مر جاتا ہے۔

س: انسائی کلو پیڈیا کسے کہتے ہیں؟ تفصیل سے بتائیے۔ اکبر علی گجر، ٹنڈو محمد خان

ج: انسائی کلو پیڈیا اُس کتاب یا کتابوں کے اُس سلسلے کو کہتے ہیں، جس میں دنیا جہان کی معلومات جمع کر دی جاتی ہیں۔ آسانی کے لیے تمام چیزوں کے نام، حروفِ تہجی کی ترتیب سے دیے جاتے ہیں اور ہر چیز کی تفصیل درج ہوتی ہے۔ جہاں ضرورت ہوتی ہے، وہاں اُس شے کی چھوٹی سی تصویر بھی ہوتی ہے۔ ایسی کتاب کا یہ فائدہ ہے کہ آپ مختلف کتابیں پڑھنے کے بجائے ایک ہی جگہ سے ساری معلومات حاصل کر سکتے ہیں جس طرح ڈکشنری سے آپ کسی بھی لفظ کے معنی معلوم کر سکتے ہیں۔

س: یہ بتائیے کہ بال جان دار ہیں یا بے جان۔ اگر جان دار ہیں تو بال یا ناخن کاٹتے وقت ہمیں تکلیف کیوں نہیں محسوس ہوتی؟ اور اگر بے جان ہیں تو بڑھتے کس طرح ہیں؟

حافظ احمد ولی اللہ ارباب، کامران احمد نعمانی، کراچی

ج: بالوں اور ناخنوں میں وہ رگ ریشے نہیں ہوتے جو ہمارے جسم کے دوسرے حصّوں میں ہوتے ہیں۔ اس لیے انھیں کاٹتے وقت ہمیں تکلیف محسوس نہیں ہوتی، لیکن بال اور ناخن ایسے بے جان بھی نہیں ہیں کہ اگر چھوڑ دیے جائیں تو بڑھنے نہ پائیں۔ اُن کی جڑیں ہماری کھال میں پیوست ہوتی ہیں۔ جہاں سے وہ اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔ اس خوراک سے ہی ان میں چمک پیدا ہوتی ہے اور اسی سے وہ بڑھتے پھیلتے ہیں۔

س: کاغذ دنیا میں سب سے پہلے کس ملک میں بنا؟

شبیر احمد جلالی، کراچی

ج: کاغذ سب سے پہلے چین میں بنا۔

اس شمارے کے چند مشکل الفاظ

ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا گیا ہے جس سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے۔ یہ اشارے اس طرح سے لکھے ہوئے ہیں : ع = عربی، ف = فارسی، ہ = ہندی، س = سنسکرت، ت = ترکی، انگ = انگریزی، الف = اردو۔

تسلّط :(ع) تَسَل لُط : غلبہ، قبضہ، دخل، حکومت۔

زوال :(ع) زَوَال : کمی، انحطاط، اُترنا۔

نبرد آزما :(ف) نَبَرد آزما : بہادر، شجاع، جنگ آزمودہ۔

معمار :(ع) مِع مَار : عمارت بنانے والا، مستری

معمول :(ع) مَع مُول : وہ کام جو روزمرّہ کیا جائے، عادت، رواج، دستور۔

معنون :(ع) مُ عَن وَن : منسوب کیا گیا، عنوان کیا گیا، کسی کے نام کیا گیا

جدّت :(ع) جِد دَت : نیاپن، تازگی۔

دہر :(ع) دَہ ر : زمانہ، وقت، سماں۔

معیار :(ع) مِع یَار : کسوٹی، کھرا کھوٹا جانچنے کا پتھر، پیمانہ، قاعدہ، پرکھ۔

انحصار :(ع) اِن حِصَار : دارومدار، گھیرنا۔

دستگیر :(ف) دَسْت گِیر : مددگار۔

تقلید :(ع) تَق لِید : پیروی، کسی کے قدم بہ قدم چلنا، نقل۔

معمّر :(ع) مُ عَم مَر : بوڑھا، بڑی عمر کا۔

توانائی :(ع) تُ وانائی : طاقت، بل، زور، قدرت۔

ترویج :(ع) تَر وِیج : رواج دینا، جاری کرنا۔

استقامت :(ع) اِس تِقَامَت : استقلال، کسی بات پر قائم رہنا، سیدھا کھڑا ہونا

فوائد :(ع) فَ وَاءِ د : فائدہ کی جمع، نفع، نتیجہ، حاصل۔

استقلال :(ع) اِس تِق لَال : ثابت قدمی، مضبوطی، کسی ملک کا خود مختار ہونا۔

انعقاد :(ع) اِن عِ قَا د : منعقد ہونا، بندھنا، مقرر ہونا۔

حقیر :(ع) حَ قِی ر : چھوٹا، ادنیٰ، ذلیل، دُبلا۔

عَلَم :(ع) عَ لَم : جھنڈا، نشان، پرچم۔

فرمان :(ف) فَر مَا ن : حکم، پروانہ، شاہی حکم۔

بود و باش :(ف) بُود وُ بَاش : رہنا سہنا، سکونت۔

مُشاہدہ :(ع) مُشَا ہَدَ ہ : دیکھنا، معائنہ، دید۔

دست بُرد :(ف) دَسْت بُرْ د : خیانت، غبن، چھین لینا۔

مُتفق :(ع) مُت تَفِق : اتفاق کرنا، رضامند ہونا، موافق، ہم خیال۔

مشتمل :(ع) مُش تَ مِل : شامل، شریک

مٹر گشت :(ا) مَٹَر گَشْت : ہوا خوری، سیر، بے مقصد مارا مارا پھرنا۔

عارف پہ کیا گزری ___ پچھلی قسطوں کا خلاصہ

عارف اور سلمٰی بچپن میں ہی یتیم ہو چکے تھے۔ ان کی پرورش ان کے چچا اور چچی نے کی تھی۔ چچا اور چچی بڑے ظالم تھے۔ وہ بات بات پر دونوں بھائی بہن کو مارتے اور ڈانٹتے ڈپٹتے۔ چچی جان ان پر سب سے زیادہ ظلم ڈھاتیں۔ چچا سلمان سب کچھ دیکھتے لیکن چپ رہتے۔ دونوں بھائی بہن خاموشی سے ظلم سہتے اور اپنی ماں کو یاد کر کے روتے رہتے۔ ایک دن چچی جان عارف کو اس قدر مارتی ہیں کہ وہ بے حال ہو جاتا ہے اور اس کے لیے سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں رہتا کہ وہ اپنی بہن سلمٰی کو ساتھ لے کر اپنی نانی جان کے گھر روانہ ہو جائے۔ نانی جان دوسرے شہر میں رہتی ہیں۔ ان کے گھر سے چلے جانے سے چچی جان بہت خوش ہوتی ہیں، لیکن چچا سلمان کو اچانک معلوم ہوتا ہے کہ عارف کو اس کے والد کے بیمے کا دو لاکھ روپیہ ملنے والا ہے۔ اس کے والد نے پردیس جانے سے قبل اپنی زندگی کا بیمہ کروایا تھا۔ ان کی وفات کے بعد عارف اور سلمٰی اس رقم کے حق دار تھے۔ چچی جان کو جب معلوم ہوتا ہے کہ عارف اور سلمٰی بہت بڑی رقم کے مالک بن گئے ہیں تو اُن دونوں کی تلاش شروع ہو جاتی ہے۔ اخبارات میں اشتہارات دیے جاتے ہیں اور اعلان کیا جاتا ہے کہ جو شخص انھیں تلاش کر کے لائے گا یا ان کا پتا بتائے گا انھیں دس ہزار روپے انعام دیا جائے گا۔

عارف اور سلمٰی ان باتوں سے بے خبر اپنے سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ انھیں سفر کے دوران مختلف قسم کے لوگوں کا سامنا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے انھیں ریل میں ایک ایسے مرد اور عورت سے پالا پڑتا ہے جو بچّوں کا اغوا کرتے ہیں اور ہاتھ پاؤں توڑ کر ان سے بھیک منگواتے ہیں۔ یہ دونوں مرد عورت، سلمٰی اور عارف کو بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ گھر لے جاتے ہیں۔ اتفاق سے انھیں ان کا ایک ہم عمر لڑکا مل جاتا ہے جنھیں ان لوگوں نے بھیک مانگنے کے لیے معذور کر دیا تھا۔ وہ انھیں سارے راز بتا دیتا ہے اور عارف سلمٰی کو لے کر وہاں سے کسی طرح فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

عارف اور سلمٰی کو معلوم ہو چکا تھا کہ چچا سلمان نے ان کو تلاش کرنے کے لیے اخبارات میں اشتہار چھپوایا ہے چناں چہ وہ لوگوں کی نظروں سے بچتے ہوئے ایک اجنبی مقام پر پہنچے جہاں ان کو ایک خطرناک فقیر ملا، جس نے انھیں لوٹ لیا۔ وہ اس کے پنجے سے بڑی مشکل سے نکل سکے۔ راستے میں عارف نے ایک بچّی کو تیز رفتار موٹر کی زد میں آنے سے بچا لیا جس کی وجہ سے بچّی کی والدہ بہت خوش ہوئیں اور انھیں اپنے گھر لے گئیں۔ عارف کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ بھی لال پگڑی والے کی طرح جرائم پیشہ نہ ہوں، لیکن اس کی غلط فہمی جلد دُور ہو گئی۔ یہ لوگ بہت ہی ہمدرد اور نیک تھے۔ انھوں نے عارف اور سلمٰی کو ان کی نانی جان تک پہنچانے میں مدد کی۔

عارف کے روانہ ہوتے ہی انسپکٹر فراز انھیں تلاش کرتا ہوا نواز کے گھر پہنچا۔ وہ نواز کا بڑا بھائی تھا۔ فراز کو جب معلوم ہوا کہ عارف اور سلمٰی اُس کی آمد سے تھوڑی دیر پہلے وہاں موجود تھے اور ابھی ابھی وہاں سے گئے ہیں تو اُسے بہت افسوس ہوا۔ فراز نے بتایا کہ عارف اور سلمٰی کو پکڑنا بہت ضروری ہے، کیوں کہ ان کی گرفتاری پر ہی اس کی ترقی کا دارومدار ہے۔ نواز وقت ضائع کیے بغیر عارف اور سلمٰی کی تلاش میں نکل گیا۔ عارف اور سلمٰی اس کی پہنچ سے بہت دُور نکل چکے تھے۔

سلسلے وار کہانی

ساتویں قسط

عارف پہ کیا گزری

مہ روز اقبال

موسٰی نے عارف اور سلمٰی کو گدھے پر سوار کیا اور خود اس کی رسّی ہاتھ میں لیے پیدل چلنے لگا۔ راستے میں وہ عارف سے اپنی زبان میں دنیا بھر کی باتیں کرتا رہا۔ جن میں عارف نے کوئی زیادہ دل چسپی نہیں لی البتہ وہ اس بات پر خوش تھا کہ موسٰی جیسا سیدھا سادھا لڑکا اُس کا دوست بن گیا تھا۔ آج رات اُسے سونے کی جگہ بھی مل جائے گی اور اگلے دن وہ شام تک خالد آباد پہنچ جائیں گے۔

وہ چراہ گاہوں، پتھریلے راستوں اور کچی سڑک سے گزرتے ہوئے ایک پہاڑی کے قریب پہنچ گئے۔ عارف نے اس سے پوچھا، "ابھی کتنی دُور اور چلنا پڑے گا؟" موسٰی نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، "وہ اُدھر سامنے درختوں کے پیچھے ہمارا گھر ہے۔" ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ عارف نے دیکھا کہ اُن کی طرف ایک پولیس کی جیپ دوڑی چلی آرہی ہے۔ اچانک وہ رُک گئی۔ جیپ چلانے والے نے انجن اسٹارٹ کرنے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ دوبارہ نہ چل سکی، پھر اس کا دروازہ کھلا اور انسپکٹر فراز باہر نکل آیا۔ اس نے زور سے آواز دی، "عارف! سلمٰی! ٹھیرو! گدھے سے اُتر پڑو اور بھاگنے کی کوشش مت کرو۔ تم یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکتے۔"

عارف اب یقیناً خطرے میں تھا، لیکن وہ آسانی سے پولیس والوں کے ہاتھ نہیں لگنا چاہتا تھا۔ اس کا ذہن بجلی کی طرح کام کرنے لگا۔ وہ بولا، "موسٰی دوست! اب ہمیں جانے دو، ورنہ یہ پولیس والا ہمیں پکڑ لے گا۔" موسٰی نے اس کی طرف تعجب سے دیکھا اور بولا، "تم اس کو بھی مارو نا۔" عارف نے کہا، "نہیں، میں اس سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔" یہ کہہ کر وہ سلمٰی کو لیے گدھے سے نیچے اُتر آیا۔ انسپکٹر فراز تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ان کی طرف آرہا تھا۔ عارف نے سلمٰی کو گود میں اُٹھایا اور پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ زمین بڑی پتھریلی

اور سخت تھی۔ جلد ہی اس کے ہاتھ پاؤں جواب دینے لگے۔ انسپکٹر فراز ان سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ کچھ دُور چلنے کے بعد عارف نے سلمیٰ کو گود سے اُتارا اور بولا، "جتنی تیز ہو سکے بھاگو۔" لیکن سلمیٰ زیادہ تیز نہ چل سکی۔ عارف سلمیٰ کو پیچھے چھوڑ کر پہاڑ کے اوپر بھاگنے لگا۔ پیچھے سے انسپکٹر فراز برابر چیخ رہا تھا، "لڑکے رُک جاؤ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔" لیکن وہ اس کی پرواہ کیے بغیر اپنی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کا سانس پھول گیا۔ اس نے دونوں تھیلوں کو پھینکا اور برابر بھاگتا رہا اور ایک اونچی چٹان پر چڑھ گیا۔ اس پر چھوٹے بڑے بہت سے پتھر پڑے ہوئے تھے۔ وہ اس طرح کھڑا ہو گیا کہ انسپکٹر فراز اسے نہیں دیکھ سکتا تھا، لیکن عارف اس پر نظر رکھ سکتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ سلمیٰ آہستہ آہستہ چلی آ رہی ہے۔ وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اتنے میں انسپکٹر فراز سلمیٰ کے پاس پہنچ گیا اور سلمیٰ کو ایک پتھر پر زبردستی بٹھا دیا۔ پھر وہ پہاڑی کے اوپر تیز تیز قدموں سے چڑھنے لگا۔ عارف کو یقین تھا کہ اگر انسپکٹر اوپر چڑھ آیا تو اسے تلاش کرنے میں کوئی دقّت نہیں ہو گی۔ اس نے کچھ دیر سوچا، پھر اچانک اس کی آنکھیں امید کی ایک کرن سے

چمک اُٹھیں۔ انسپکٹر اس سے زیادہ دُور نہ تھا۔ اس نے قریب پڑا ہوا ایک نوکیلا پتّھر اٹھایا اور نشانہ تاک کر انسپکٹر کی پیشانی پر دے مارا۔ پتّھر ٹھیک نشانے پر لگا۔ اس کی پیشانی سے خون بہنے لگا۔ وہ غصیلے شیر کی طرح بپھر گیا اور تیز تیز پہاڑی پر دوڑنے لگا۔ اس اثنا میں عارف نے کچھ اور پتّھر جمع کر لیے تھے۔ یکے بعد دیگرے اس نے تین چار پتّھر زور زور سے اس کی کھوپڑی پر مارے۔ ہر نشانہ صحیح لگا۔ انسپکٹر چکرا کر زمین پر گر پڑا۔

عارف ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ اگلا قدم کیا اُٹھائے۔ اُسے یہ بھی اچھی طرح معلوم نہ تھا کہ انسپکٹر واقعی بے ہوش ہو کر گرا ہے یا وہ اُسے دھوکے سے پکڑنے کے لیے ڈراما کھیل رہا ہے۔ اتنے میں اس کی نظر موسٹی پر پڑی جو انسپکٹر کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے زمین پر پڑے ہوئے انسپکٹر کو ایک زور کی لات ماری۔ بولا، "تم ہمارے دوست کو پکڑتا ہے۔" انسپکٹر نے کوئی حرکت نہ کی۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ وہ ہوش میں نہیں ہے۔ عارف اطمینان سے پتّھروں کی آڑ سے باہر آیا اور پہاڑ سے نیچے اُترنے لگا۔ انسپکٹر کو اس نے حقارت سے دیکھا، پھر موسٹی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ تھیلے اُٹھائے، سلمیٰ کو ساتھ لیا اور تینوں پہاڑی کے نیچے آ گئے۔ موسٹی نے کہا، "پولیس والا اب یہاں سے نہیں جا سکے گا۔ ہم نے اس کے موٹر کے پہیئے کا ربڑ کاٹ ڈالا ہے۔" عارف نے کہا، "ہمیں یہاں سے جلد سے جلد چلے جانا چاہیے۔" موسٹی بولا، "تم فکر نہ کرو۔ ہم تم کو ایسا بھگا کر لے جائے گا کہ پولیس والے کا موٹر بھی نہیں آ سکتا۔"

موسٹی گدھے کی رسّی کو بڑے سے پتّھر سے باندھ گیا تھا۔ اس نے رسّی کھولی۔ دونوں بہن بھائی کو گدھے کی پشت پر سوار کیا اور گدھے کی رسّی کو ہاتھ میں پکڑ کے دوڑنے لگا۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر وہ تینوں ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں تھوڑی تھوڑی دُور کے فاصلے پر کئی خیمے لگے ہوئے تھے۔ عورتیں سرخ رنگ کے لہنگے اور بڑی بڑی قمیصیں پہنے ہوئی تھیں اور مردوں کا لباس موسٹی کی طرح تھا۔ یہ سب خانہ بدوش تھے۔ اس وقت چھوٹے بڑے ہاتھوں میں ڈھول لیے ہوئے بجا رہے تھے اور سب کے سب عجیب انداز سے اُچھل کُود رہے تھے۔ اپنی زبان میں ٹھیر ٹھیر کر گانا بھی گاتے جاتے تھے۔

جیسے ہی تینوں وہاں پہنچے انھوں نے گانا بجانا فوراً روک دیا۔ وہ سب عارف اور

سلمٰی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ موسیٰ نے ان کو بتایا کہ میں اپنا گدھا بھی ڈھونڈ لایا ہوں، اور پھر عارف اور اس کی بہن کا اپنی زبان میں تعارف کرایا۔ انھوں نے عارف اور سلمٰی کو عزّت کے ساتھ ایک پیٹی پر بٹھا دیا اور تھیلے ان سے لے کر ایک طرف رکھ دیے وہ پھر گانے ناچنے میں مصروف ہو گئے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد انھوں نے ناچ گانا ختم کر دیا اور مختلف کاموں میں لگ گئے۔ عارف اور سلمٰی کے لیے ذرا دُور ہٹ کر ایک چھوٹا سا خیمہ تیار کیا گیا جہاں لے جا کر ان کے تھیلے رکھ دیے اور زمین پر ایک فرش بچھا دیا۔

جب شام ہو گئی اور دُور دُور تک اندھیرا پھیل گیا تو خانہ بدوشوں نے چراغ جلائے اور خیموں کے آگے سب ایک گول دائرے میں بیٹھ گئے۔ عارف اور سلمٰی کو بھی ان کے ساتھ بیٹھنا پڑا۔ اب سب کے آگے مٹّی کے بڑے بڑے کونڈے رکھ دیے گئے، پھر دو عورتوں نے مل کر ان میں چاول بھر دیے اور پر سے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے ڈال دیے۔ وہ اس کھانے کو مزے سے کھانے لگے۔ عارف اور سلمٰی نے بھی کھانا شروع کر دیا، لیکن وہ زیادہ نہ کھا سکے۔ چاول پوری طرح گلے نہ تھے اور گوشت کچّا تھا۔ وہ تھوڑا سا کھا کر اُٹھ گئے اور دُور جا کر ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔ جب کھانا ختم ہوا تو موسیٰ نے ان کے لیے خیمے میں بستر بچھا دیا۔ دونوں بھائی بہن اس میں جا کر لیٹ گئے۔ دن بھر کے تھکے ہوئے تو تھے ہی بستر پر پڑتے ہی نیند کے مزے لوٹنے لگے۔

خانہ بدوش پھر ایک جگہ اکھٹے ہو کر بیٹھ گئے۔ کچھ کے منھ میں سگار لگے ہوئے تھے۔ موسیٰ کے باپ نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اور ہنس کر بولا، "آج تُو نے بہت بڑا کام کیا۔" موسیٰ کی ماں نے تائید کی۔ اس کا باپ بولا، "آج تو یہ ہمارے لیے دو بچّے بھی پکڑ کے لے آیا۔ بول موسیٰ، تُو کیا انعام مانگتا ہے؟" موسیٰ کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ اس نے کہا کہ بابا، یہ لڑکا تو ہمارا دوست ہے۔ ہم ان کو ایک دن کے لیے مہمان بنا کر لایا ہے۔ تم ان دونوں کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے۔ یہ سُن کر اس کا باپ ہنسا بولا کہ تو اتنا بڑا ہو گیا پھر بھی بدھو کا بدھو رہا۔

موسیٰ کے چچا نے اپنے بھائی کی حمایت کرتے ہوئے کہا، "تیرا باپ ٹھیک تو بولتا ہے۔ یہی تو ہمارا کام ہے۔ اگر ہم لوگ ایسا نہیں کرے گا تو کھائے گا کہاں سے۔" موسیٰ نے رو رو

کر اپنے باپ اور چچا کو سمجھانے کی کوشش کی کہ میں ان دونوں کو اپنا دوست اور مہمان بنا کر لایا ہوں، اس لیے ہم ان کے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتے، مگر موسیٰ کے باپ کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔ اس نے اس کے گال پر زور زور سے دو چانٹے لگائے۔ موسیٰ رو پڑا۔ وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ کچھ دیر بعد خانہ بدوش ایک ایک کر کے اپنے خیموں میں سونے کے لیے چلے گئے۔ موسیٰ بھی اپنی جگہ سے اُٹھا اور اپنے خیمے میں سونے کے لیے چلا گیا۔

آدھی رات ہو چکی تھی۔ اندھیرا اتنا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہ دیتا تھا۔ باہر ہوا سائیں سائیں کر رہی تھی۔ دُور کہیں کتے بھونک رہے تھے۔ کبھی کبھی اُلّو اور بھیڑیوں کی مدھم سی آواز بھی آجاتی تھی۔ سب کے سب خانہ بدوش میٹھی نیند سو رہے تھے۔ ان کے کچھ جانور بھی کھڑے اُونگھ رہے تھے۔ عارف اور سلمیٰ اپنے چھوٹے سے خیمے میں پڑے خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔

اتنے میں خیمے کا پردہ ہٹا اور ایک سایہ بڑی احتیاط سے اندر داخل ہوا۔ اس نے پہلے سوئے ہوئے بہن بھائی کو اچھی طرح دیکھا، پھر عارف کا کندھا آہستہ سے دبایا۔ عارف بدستور سوتا رہا۔ اب اس نے عارف کا بازو سختی سے جھنجھوڑا۔ عارف سوتے میں بڑبڑایا، "اوں.... ہوں.... کیا ہے؟"

"تم شور نہیں کرو۔" سائے نے کہا۔ عارف گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ اس نے تعجب سے کہا، "ارے موسیٰ تم! کہو کیا بات ہے؟"

"ہم بولا تم شور مت کرو۔" عارف کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

"آخر بات کیا ہے موسیٰ؟"

"ہم ابھی بات وات نہیں بتائے گا۔ تم اپنی بہن کو اٹھاؤ اور خاموشی سے ہمارے ساتھ چلو۔" عارف نے سلمیٰ کو جگایا، خود جوتے پہنے اور اُسے چپل پہننے کو کہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ کوئی خطرے کی بات ہے۔ تھیلے اُٹھانے کے لیے وہ جیسے ہی بڑھا موسیٰ نے اُسے روک دیا، بولا، "تم ہمارے پیچھے پیچھے آؤ۔" عارف ہر خطرے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ وہ خاموشی سے سلمیٰ کا ہاتھ تھامے خیمے کے باہر نکل آیا۔ پھر دونوں موسیٰ کے پیچھے پیچھے چل دیے۔

جگہ جگہ جھاڑیاں اور درخت اُگے ہوئے تھے۔ ان کے قدم جیسے ہی سوکھے پتوں پر پڑتے، چرچراہٹ پیدا ہوتی، جس سے سلمٰی کا دل دہل جاتا۔ اندھیرا ہونے کے باوجود موسیٰ انھیں اس طرح بچا کر لیے جا رہا تھا جیسے وہ راستہ اس کا اچھی طرح دیکھا بھالا ہو۔ وہ تینوں بہت دُور تک گڑھوں، پتھروں اور جھاڑیوں سے بچتے بچاتے چلتے رہے۔ وہ اب ایک کھُلے میدان میں آ گئے۔ موسیٰ نے انھیں ایک درخت کے پاس کھڑا کیا اور بولا، "ہم ابھی آتا ہے، تم یہیں ٹھیرو۔" یہ کہہ کر وہ مُڑا اور واپس چلا گیا۔ اندھیری رات میں سنسان جنگل بڑا ڈراؤنا معلوم ہو رہا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ انھیں سردی لگنے لگی، لیکن وہاں سردی سے بچنے کی کوئی چیز نہ تھی۔ عارف کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ موسیٰ انھیں یہاں پر کیوں کھڑا کر گیا ہے اور وہ کتنی دیر میں واپس آئے گا۔

سردی اور خوف سے سلمٰی کانپنے لگی۔ وہ اپنے بھائی سے چمٹ کر کھڑی رہی۔ وہاں انھیں کوئی بیٹھنے کی بھی جگہ نہیں ملی۔ آس پاس سے مختلف جانوروں کے بولنے کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں، جو رات کے سناٹے میں بڑی خوف ناک معلوم ہو رہی تھیں۔

ان کو وہاں کھڑے کھڑے کافی دیر ہو گئی، موسیٰ ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا تھا۔ عارف عجیب الجھن میں تھا کہ وہ کیا کرے؟ کیا وہ اپنے تھیلے لینے واپس خیمے تک جائے یا وہیں رات گزارنے کی کوئی جگہ تلاش کرے۔ واپس خیمے میں جانا اُس نے مناسب نہ سمجھا، ایک تو یہ کہ راستہ بڑا پیچیدہ تھا، وہ بھٹک سکتے تھے اور دوسرے یہ کہ موسیٰ ان کی واپسی نہیں چاہتا تھا۔

عارف، سلمٰی کو ایک طرف کھڑا کر کے آس پاس کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں وہ رات بسر کر سکیں، لیکن اس جنگل بیابان میں اُسے کوئی ایسی جگہ نہ ملی، وہ واپس سلمٰی کے پاس آ گیا اور وہاں سے دُور نکل جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ ابھی سلمٰی کو لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ پیچھے سے انھوں نے کچھ شور سُنا۔ وہ ایک درخت کی آڑ میں چھُپ کر کھڑے ہو گئے، گھپ اندھیرے میں اُنھیں دُور روشنی نظر آئی، جو ان کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی۔ عارف کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کس قسم کی روشنی ہے۔ جیسے جیسے وہ ان کے قریب ہوتی گئی، شور اتنا ہی واضح ہوتا گیا۔ وہ گدھا گاڑی تھی، جو اُن کے قریب آ کر رُک گئی۔ اسے موسیٰ چلا رہا تھا۔ اس میں ایک لالٹین لٹکی ہوئی تھی۔ گاڑی میں ایک کمبل بچھا تھا جس پر عارف کے دونوں
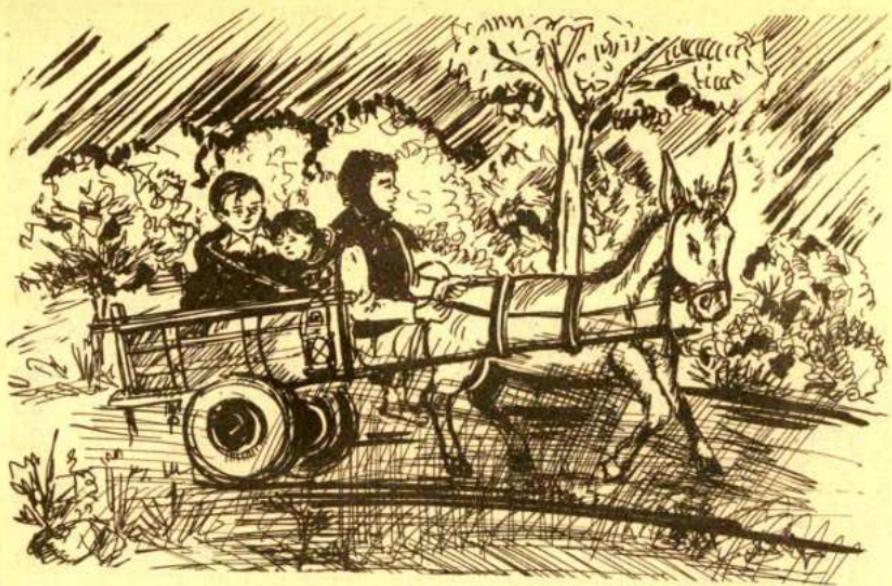
تھیلے رکھے تھے۔

موسیٰ نے انھیں گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دونوں فوراً اُچک کر اس پر سوار ہو گئے۔ موسیٰ نے گدھے کو چابک مارا اور گاڑی ہچکولے کھاتی ہوئی چلنے لگی۔ کمبل بہت بڑا تھا۔ اس کا کچھ حصّہ عارف اور سلمیٰ نے اپنے اوپر ڈال لیا۔ تھوڑی دیر بعد سلمیٰ اپنے بھائی سے ٹیک لگا کر سو گئی۔ عارف اور موسیٰ بہت دیر تک خاموش رہے۔ عارف کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ موسیٰ انھیں کہاں اور کس لیے لے جارہا ہے۔ آخر اس نے موسیٰ سے پوچھ ہی لیا، "موسیٰ، تم ہمیں خیمے سے جگا کر کیوں لائے اور اب کہاں لے جارہے ہو؟" موسیٰ نے گدھے کی رفتار تیز کرنے کے لیے گدھے کو ایک ہلکا سا چابک مارا اور بولا، "ہمارا باپ تمھارا جان کا دشمن ہے۔ وہ ہمارا دوست کو بھی نہیں چھوڑتا۔ وہ بولتا تھا کہ ہم تمھارے دوست کو باندھ کے رکھے گا اور اپنے ساتھ دُور لے جائے گا۔" یہ سن کر عارف خوف اور حیرت سے کانپ گیا، لیکن فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بولا، "تو تم ہمیں کہاں لے جا کر چھوڑو گے؟"

(جاری ہے)

صحت مند نونہال

شمائل حیدر، کراچی — امیر علی واحد، تربت

صائمہ، کراچی — طارق احمد — وسیم عزیز ساگر، کراچی — شکیل احمد، کراچی

اقبال علی، حیدر آباد — محمد یوسف، بہاول نگر — گل خان نیازی، کراچی — ضاہد ندیم ضیا، ٹوبہ ٹیک سنگھ

محمد امیر صدیقی، کراچی — اشرف اسرار، کراچی — محمود علی ہارون، کراچی — فدا حسین، جھڈو

دو مسافر دو ملک

حکیم محمد سعید اور مسعود احمد برکاتی کے سفر انگلستان اور فرانس کے تاثرات

مسعود احمد برکاتی

مرکز اسلامی سے نکل کر بگ بن دیکھتے ہوئے ہم مادام تُساد کی نمائش گئے جہاں دنیا بھر کی مشہور تاریخی اور موجودہ شخصیتیں موم کی مورتیں بنی کھڑی ہیں۔ ان کی ہر ادا سے زندگی ٹپکتی ہے۔ یہ وہ شخصیتیں ہیں جنھوں نے سیاست، سائنس، ادب یا کسی اور میدان میں انسانوں کی خدمت کی ہے۔ یہ اسی خدمت کی بنا پر اب بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہیں۔ کتابوں میں ان کا ذکر ہے اور یہاں یہ پتھر کے بجائے موم کے لباس میں اس طرح محفوظ ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اب منھ سے بولنے والی ہیں۔ جس طرح مجسمہ ساز پتھر کو تراش تراش کر اُن میں سے انسانوں کی شکل و صورت نکال لیتے ہیں اسی طرح مادام تُساد نے موم کو مَل مَل کر یہ مورتیں پیدا کی ہیں۔ اس میں کمال موم کا نہیں بلکہ مادام تُساد کے ذہن اور ماہر ہاتھوں کا ہے۔

پاکستان کی کوئی شخصیت وہاں نظر نہ آئی۔ گاندھی جی بھی تھے اور اندرا گاندھی بھی، لیکن اقبال تھے نہ قائداعظم۔ ان میں شاید مادام تُساد کے شاگردوں کو کوئی کشش نظر نہ آئی۔ کہتے ہیں کہ مورت بنانے والے شخصیات کے انتخاب میں شہرت اور بڑائی کے علاوہ چہرے کے نقش و نگار کو بھی فنی لحاظ سے دیکھتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں کسی کی ظاہری شخصیت بھی ان کو مورت بنانے پر راغب کرتی ہے۔ جس شخصیت کی مورت بنانی ہو اس کے متعلق بڑی معلومات اکٹھی کی جاتی ہیں۔ اگر وہ شخص گزر چکا ہو تو اس کی سوانح اور تصویریں دیکھی جاتی ہیں۔ زندہ لوگوں کے حالات اور اخباری تصویروں کے علاوہ مورت بنانے والے خود اُن کا انٹرویو لیتے اور تصویریں اُتارتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اُن کا ناپ بھی لیتے ہیں۔ ناک نقشہ ملایا جاتا ہے۔ بالوں کا انداز اور لباس وغیرہ بھی نوٹ کیا جاتا ہے، لیکن ان سب سے بڑھ کر میرے خیال میں فن کار کی نگاہ ہوتی ہے۔ یہ نگاہ عام نگاہ سے مختلف ہوتی ہے۔ فن کار کی نگاہ اکثر اُس حُسن کو دیکھ لیتی ہے جس کو عام آدمی نہیں دیکھ سکتا۔

مادام میری تساد

زندہ لوگوں کی مورتیاں بعض وقت نمائش سے ہٹا بھی دی جاتی ہیں، کیوں کہ اُن کی شکل بدل جاتی ہے اور اصل و نقل کی مشابہت میں فرق آجاتا ہے۔

اس نمائش کی بانی مادام میری تُساد تھیں۔ یہ خاتون ۱۷۶۱ء میں پیدا ہوئیں۔ بچپن پیرس میں گزرا۔ ان کو ان کے چچا نے موم کی مورتیاں بنانا سکھائیں۔ شروع شروع میں یہ اپنی نمائش جگہ جگہ لیے پھریں، پھر ۱۸۳۵ء میں لندن میں جم گئیں۔ انھوں نے موم کی آخری مورتی خود اپنی بنائی۔ اُس وقت ان کی عمر ۸۱ سال تھی۔ اُن کی یہ مورتی بھی نمائش میں موجود ہے اور گھر یا نمائش دیکھنے والوں کا استقبال کرتی ہے۔ ۱۸۵۰ء میں ان کا انتقال ہوا، لیکن یہ نمائش ترقی ہی کرتی جا رہی ہے۔ انگریزوں کی خوبی یہ ہے کہ ان کا اپنا ادارہ جو ایک بار بن جائے وہ اس کو قائم رکھتے ہیں اور ترقی دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ادارہ ایک تاریخ بن جاتا ہے۔ شاید اسی لیے اُن کو قدامت پسند اور روایت پرست کہا جاتا ہے۔

میں نے ایک بہت پرانا سفرنامہ "آئینۂ سکندری" پڑھا تھا۔ بابو اُما شنکر نے ۱۸۸۶ء میں یورپ کا سفر کیا تو یہ سفرنامہ لکھا۔ اُس زمانے کے لحاظ سے بڑا دل چسپ سفرنامہ ہے۔ اس میں انھوں نے مادام تُساد کی نمائش کا حال بھی لکھا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ جب ہم یہ نمائش دیکھنے گئے تو ایک بنگالی بابو بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب دروازے کے اندر گھُسے تو ایک سنتری کھڑا ہوا دکھائی دیا۔ بنگالی صاحب اس کو اصلی سنتری سمجھے اور اس سے کچھ پوچھنا چاہتے تھے کہ عورتیں

قہقہہ مار کر ہنسنے لگیں، تھوڑی دیر کے بعد بابو صاحب نے اپنی شرمندگی کا بدلا لینے کے لیے ایک دل چسپ شرارت کی اور اپنی بنگالی پوشاک میں چُپ چاپ بالکل دَم سادھ کر کھڑے ہو گئے۔ بابو اُماشنکر صاحب اور دو بین اور ساتھی ان کے اِرد گرد ایسے کھڑے ہو گئے جیسے وہ مورتی ہوں اور اُن کو دیکھ رہے ہوں۔ دو خواتین اور ایک صاحب دوسری طرف سے آئے تو بنگالی بابو کو مورتی سمجھ کر بہت غور سے دیکھنے لگے۔ ایک خاتون نے چُپکے سے بنگالی بابو کے ہاتھ لگا کر کہا کہ یہ تو بڑا ملائم ہے۔ بنگالی بابو جلدی سے بول اُٹھے "میں خواتین سے تو زیادہ ملائم نہیں ہوں"۔ اس پر ایک زبردست قہقہہ پڑا۔

ایک دن صبح اُٹھ کر چائے پیتے ہی اوپر حکیم صاحب کے کمرے میں پہنچا تو وہاں یوسف حسین نقوی صاحب موجود تھے۔ حکیم صاحب تو خیر علی الصباح اُٹھتے ہی ہیں، لیکن نقوی صاحب بھی سحر خیز ہیں۔ معلوم ہوا کہ آج اوکسفرڈ یونی ورسٹی کا پروگرام ہے۔ حکیم صاحب کی ایک دوست ہیں پروفیسر کیرس واڈی۔ یہ اوکسفرڈ میں پڑھاتی تھیں۔ اب تو رِٹائر ہو چکی ہیں۔ ستّر سے تو اوپر ہی معلوم ہوتی ہیں۔ بہت قابل خاتون ہیں۔ انھوں نے حکیم صاحب کو لنچ پر بُلایا تھا۔ چناں چہ ہم لوگ نقوی صاحب کی گاڑی میں بلکہ اُن کی گاڑی بانی (ڈرائیونگ) میں روانہ ہوئے۔ نقوی صاحب کار بہت اچھی چلاتے ہیں۔ کار چلانے میں تو حکیم صاحب بھی بہت ماہر ہیں۔ بہت بچپن سے کار ڈرائیونگ کر رہے ہیں، لیکن اب اتفاقیہ ہی کبھی کار چلاتے ہیں، کیوں کہ مصروفیت کے ساتھ ساتھ ذہنی مصروفیت بھی بہت زیادہ ہو گئی ہے، اس لیے ہمدردوں کا مشورہ ہے کہ آپ گاڑی خود نہ چلائیں، لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے حکیم صاحب سے کوئی حادثہ نہیں ہوا۔ بہرحال ہم لوگ چلے تو لندن شہر ہی ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ کوئی اسّی میل کے رقبے میں پھیلا ہوا شہر ہے۔ موسم اچھا تھا۔ بارش بھی ہوتی رہی، لیکن اوپر سے تو پانی کی دھاریں نظر آتی تھیں۔ زمین پر پانی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میں غور کرنے لگا کہ آخر یہ پانی کہاں چلا جاتا ہے۔ عجیب ناقدرے لوگ ہیں۔ پانی کو ذرا دیر بھی نہیں ٹھیراتے۔ ہمارے ہاں تو ایک دن بارش ہو جائے تو کئی کئی دن تک ہماری سڑکیں پانی کی مہمان نوازی کرتی رہتی ہیں۔

محترمہ کیرس واڈی سے فون پر نقوی صاحب نے پتا پوچھ لیا تھا۔ وہ محترمہ کے بتائے ہوئے نشانات کے مطابق مُڑتے جاتے تھے۔ یونی ورسٹی کے قریب پہنچ کر ایک چوراہے پر ذرا گڑبڑا گئے

اور بائیں طرف مُڑنے کے بجائے دائیں طرف مُڑ گئے۔ پتے کے مطابق موڑ مُڑ کر چند قدم چلنے کے بعد ایک شاپنگ سنٹر آنا تھا۔ وہ نہ آیا۔ ذرا اور آگے بڑھے تو کچھ دُکانیں نظر آئیں۔ وہاں میں اُترا۔ اسٹیشنری کی ایک چھوٹی سی دُکان میں جاکر دُکان دارنی سے پوچھا تو وہ بچاری خود بھی ناواقف تھی، مگر بھٹکے ہوئے کو راستہ نہ بتائے، یہ کیسے ہو سکتا ہے! فوراً کام چھوڑ کر الماری میں سے اوکسفرڈ پر ایک کتابچہ اُٹھایا اور نقشہ دیکھ کر "نا ہم روڈ" تلاش کرنے لگی۔ اتنے میں ایک خریدار بڑی بی کے کان میں بات پڑی تو جلدی سے بولیں، "آئیے میں بتاتی ہوں"۔ دُکان سے باہر نکل کر کہنے لگیں، آپ لوگ اپنی گاڑی میری گاڑی کے پیچھے پیچھے رکھیے۔ جب میں ہاتھ گاڑی سے باہر نکالوں تو اس کے بعد جو گلی آئے آپ اُس میں مُڑ جائیں، بس وہی نا ہم روڈ ہے"۔ کتنے اچھے انسان ہیں یہ لوگ۔ خِضر راہ کا کام کرتے ہیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ انگریز اتنے اچھے ہیں تو انھوں نے ہماری آزادی کیوں چھینی تھی، ہمارے ملک پر کیوں قبضہ جمایا تھا۔ شاید حکومت کا شوق آدمی کو بدل دیتا ہے۔ یا پھر انگریز ذاتی حیثیت میں اچھے ہوں اور قومی حیثیت سے ان کا مزاج دوسرا ہو، یا شاید ہماری کم زوری سے فائدہ اُٹھایا ہو۔ جس طرح طاقت انسان کو بہکا دیتی ہے اسی طرح کم زوری بھی جُھکا دیتی ہے۔ بہر حال خوبی خوبی ہے اور خوبی کا اعتراف بھی ایک خوبی ہے۔ اچھی باتیں کسی میں بھی ہوں ہمیں سیکھنی چاہییں۔

پروفیسر کیرس واڈی کے ہاں پہنچے تو وہ منتظر تھیں۔ مسکرا کر ملیں۔ سب سے پہلے پوچھا، "کسی کو منھ ہاتھ دھونا ہو تو دھو لیں"۔ مہمان نوازی کا یہ پہلا اظہار تھا۔ واڈی صاحبہ کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ وہ خلیق اور منکسر بھی ہیں۔ انھوں نے "دی مسلم مائنڈ" (THE MUSLIM MIND) کے نام سے ۱۹۷۶ء میں ایک کتاب لکھی تھی، جس میں اسلام کو تاریخ اور موجودہ زمانے کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ مغرب کے سیکھنے کے لیے اسلام میں بہت کچھ ہے۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن آنے والا تھا۔ پروفیسر واڈی کے ساتھ ایک اور بزرگ خاتون مس کرسٹائن مارسین رہتی ہیں۔ وہ بھی رِٹائر ہو چکی ہیں۔ انگریزی کی پروفیسر تھیں۔ وہ بھی ضعیف ہیں۔ شاید اس گھر میں دونوں تنہا رہتی ہیں۔ خاطر مدارات میں دونوں آگے آگے تھیں۔

(جاری ہے)

ڈاکٹر ایک مریض کو دیکھنے گیا، "اب کیسی ہے طبیعت؟" ڈاکٹر نے مریض سے پوچھا۔

"جیسی کل تھی۔" مریض نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"میں پوچھ رہا ہوں طبیعت کیسی ہے؟" ڈاکٹر نے دوبارہ پوچھا۔

"وہی تو بتا رہا ہوں ناکہ جیسی کل تھی۔" مریض نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

ڈاکٹر نے غصے میں آکر پوچھا، "کل کیسی تھی تمھاری طبیعت؟"

"جناب جیسی آج ہے۔" مریض نے چیختے ہوئے جواب دیا۔

مرسلہ: عطاء اللہ خاں نیازی، دریا آباد

بچی: "ابا جان! آپ کہتے تھے کہ صفائی اچھی چیز ہے، مگر امی کو تو صفائی بالکل پسند نہیں ہے۔"

ابا جان: "وہ کیسے؟"

بچی: "کل میں نے الماری میں رکھی ہوئی مٹھائی کی تھالی صاف کر دی، بس میری تو شامت ہی آگئی۔"

مرسلہ: طارق محمود بٹ، دینہ

اُردو کے استاد کلاس میں گرامر پڑھا رہے تھے۔ زمانہ حال پڑھاتے ہوئے انھوں نے ایک شاگرد سے پوچھا، "امجد! اگر میں کہوں کہ "میں نہاتا ہوں، تم نہاتے ہو، وہ نہاتا ہے۔" تو یہ کون سا زمانہ ہے؟ امجد کافی دیر تک سوچتا رہا، پھر خوش ہو کر بولا، "میں سمجھ گیا سر، اُس روز جمعہ ہو گا۔"

اسکاٹ لینڈ کے ایک باشندے کو اپنے بیٹے کی فضول خرچی سے بہت شکایت تھی۔ آخر ایک روز اُس نے بیٹے سے کہا، "اب آئندہ میں تمھیں ایک پیسہ نہیں دوں گا، کیا سمجھے؟"

"مگر کیوں ڈیڈی؟"

باپ نے خفگی سے کہا، "اس لیے کہ تم آج سے میرے

لیے مَر چکے ہو۔"

بیٹے نے سَر جُھکا کر کہا، "تو ڈیڈی کفن دفن کے لیے تو کچھ رقم دے دیجیے۔"

مرسلہ: محمد سلیم خیر الدین، اسلام آباد

چھُٹیاں ہونے والی تھیں۔ آخری دن اُستاد نے کلاس میں کہا: "جو کوئی کلاس میں ایسا سوال پوچھے گا جس کا جواب کسی کو نہ آتا ہو میں اُسے دس رُپے انعام دوں گا۔" شعیب نے سوال کیا، "اونٹوں کی ایک قطار جا رہی ہے، سب سے آگے والا اونٹ کہتا ہے کہ میرے پیچھے پانچ اونٹ ہیں، سب سے پیچھے والا اونٹ کہتا ہے کہ میرے آگے پانچ اونٹ ہیں، درمیان والا اونٹ کہتا ہے کہ میرے آگے اور پیچھے دو دو اونٹ ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ اُس اونٹ کی بات سچ ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی بتائیں کہ اونٹوں کی تعداد کتنی ہے؟ پوری کلاس ہار گئی۔ استاد نے عاجز آکر کہا، "سوچ لو شاید تم نے سوال غلط پوچھا ہو۔"

"نہیں جناب! پہیلی اسی طرح ہے۔" استاد نے جیب سے دس رُپے نکالے اور بولے، "جواب بتاؤ۔"

شعیب جلدی سے بولا، "سر، درمیان والا اونٹ جھوٹ بولتا ہے۔"

مرسلہ: شاہ محمد فاروق،

میں نے ایک اندھے کو ایک آنا دیا، وہ نیچے گِر گیا، لیکن اندھے نے جھٹ اسے اُٹھا لیا۔ اس حرکت سے مجھے شک ہوا۔ میں نے کہا، "کم بخت تُو اندھا تو نہیں۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا، "جی میں اس کی جگہ پر بیٹھا ہوں۔" میں نے پوچھا، وہ کہاں گیا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا، وہ فلم دیکھنے گیا ہے۔

مرسلہ: عبدالقادر عابد اسماعیل پرنس بیلا

استاد: "اتفاق سے" کو اپنے جملے میں استعمال کرو۔

شاگرد: میرے ابّا اور امّی کی شادی اتفاق سے ایک ہی دن قرار پائی۔

مرسلہ: طارق محمود حاصی، قادر پور راں

مالک (اپنے نوکر سے) میں تھوڑی دیر کے لیے باہر جا رہا ہوں۔ تم ہوشیاری سے کام کرنا۔ اگر دُکان میں کوئی آئے اور تمھیں کچھ آرڈر دے تو اس کی تعمیل ادب سے کرنا۔

تھوڑی دیر بعد مالک آیا اور پوچھا، "کوئی آیا تھا؟"

نوکر: جی ہاں۔

مالک: کیا آرڈر دیا تھا؟

نوکر: اس نے حکم دیا تھا کہ دونوں ہاتھ اُوپر کھڑے کر کے کونے میں کھڑے ہو جاؤ۔ میں نے نہایت اخلاق سے اس کی تعمیل کی اور وہ گلّا اُٹھا کر لے گیا۔

مرسلہ: پرنس عبدالواحد شیخ، لاڑکانہ

خط ہی خط

* نونہال میں مجھے سب سے اچھے لطیفے لگتے ہیں۔ ہنس ہنس کر میرا برا حال ہو جاتا ہے۔ کہانیاں بھی معیاری ہوتی ہیں۔ نونہال مصور تو نونہال کی جان ہوتا ہے۔

عائشہ مصباح بشیر، نواب شاہ

* میرے گھر کے تمام چھوٹے بڑے لوگوں کو خاص نمبر بہت ہی پسند آیا۔ خاص طور پر مجھے جس کی وجہ انعامی معلومات، انعامی کہانی عارف پہ کیا گزری، باکمال لوگ، صحت کے ۹۹ نکتے، دانہ دانہ، ناول پہاڑ کی چوٹی پر، بادام کی مونچھیں، کارآمد چیزیں بنائیے ہیں۔ میں نے آج تک جتنے بھی تنے لطیفے ارسال کیے ہیں آپ نے مجھے شکریہ کا موقع فراہم نہیں کیا۔ محی الدین خاں محی، کراچی

* اگر ایک صفحہ قلمی دوستی کے لیے خرچ کیا جائے تو یہ رسالہ اور اچھا ہو جائے گا۔ بچوں میں ایک دوسرے سے تعلقات اور حالات معلوم کرنے کا جذبہ بڑھے گا۔ عبدالرحمان، ٹنڈو محمد خاں

* آپ ہر ماہ ابتدائی صفحات پر سیرت النبوی پر لکھی ہوئی کسی کتاب میں سے سلسلے وار ابواب شائع کریں، نونہال مصور کا سلسلہ بند کر دیں۔ البتہ بزمِ نونہال کے صفحات بڑھا دیں۔

طاہر بیگ، کراچی

* نومبر کا شمارہ بہت پسند آیا، لیکن خاص نمبر میں "فرحانہ انجم علی، نوشہرہ" نے کہانی "بچوں کا عالمی دن" نقل کرکے بھیجی تھی۔ یہ کہانی ایک رسالے میں ایک سال قبل چھپی تھی۔ اکرم عالم انصاری، حیدر آباد

* مجھے پتا چلا کہ ستمبر کا شمارہ خاص شمارہ تھا تو بہت دکھ ہوا، کیوں کہ میں کسی وجہ سے ستمبر اور اکتوبر کا شمارہ نہ لے سکی۔ آپ مہربانی فرما کر قیمت بتا دیں تو وہ میں ارسال کر دوں۔ سیماں سرحدی، سکھر

> آپ نے پتا نہیں لکھا۔ بغیر پتے کے خط کا جواب کس پتے پر دیا جائے۔

* ہمارے گھر میں ہر شخص ہمدرد نونہال پڑھنے کے لیے بے چین رہتا ہے۔ اس بار کی کہانی "ریچھ اور کچھوا"، "عمدہ چیز کون سی ہے" اور "پتھر کا شیر" بہت اچھی لگیں اور "کیسے کیسے لوگ" اور جناب مسعود احمد برکاتی کا "آپ کا شکریہ" بھی بہت اچھا تھا۔ آگے بڑھے تو اچانک "بلاعنوان کہانی کا انعام" پر نظر پڑی۔ ہمیں انعام نہیں ملا، لیکن جب ہم نے آخر میں یہ پڑھا کہ "سب نے گویا انعام پایا، کیوں کہ کوشش اپنی جگہ خود انعام ہے۔ یاد رکھیے کام کرنا ہی کامیابی ہے۔" تو دل کو بہت خوشی ہوئی۔ رخسانہ تبسم، کراچی

* نومبر کا شمارہ پڑھا بہت پسند آیا۔ خاص طور پر "عارف پہ کیا گزری" میرزا ادیب صاحب کی کہانی "پتھر کا شیر"، اور علی اسد صاحب کی کہانی "خوشی کی تلاش" نے بہت متاثر کیا۔ لطیفے بہت گھسے پٹے تھے۔ صحت مند نونہال کی جگہ پر کسی بچوں کے ادیب کا انٹرویو شائع کیا کریں۔

سید ساجد علی زیدی، ٹنڈو محمد خاں

* جناب حکیم محمد سعید کا "جاگو جگاؤ" پڑھا۔ اپنے آپ پر فخر محسوس کیا، کیوں کہ ہم ایک پکے اور سچے پاکستانی ہیں۔ اس کے علاوہ سلسلے وار کہانی عارف پہ کیا گزری اور دو مسافر دو ملک بہت ہی خوب صورت چل رہا ہے۔ فرزانہ آفرین، کراچی

* اقبال سے متعلق جاگو جگاؤ نے ہماری خودی کو جگانے میں اہم کردار ادا کیا۔ کر بھلا ہو بھلا، عمدہ چیز کون سی ہے، ریچھ اور کچھوا اچھی تحریریں تھیں۔ مسعود احمد برکاتی صاحب کا سفرنامہ دو مسافر دو ملک نے ہماری معلومات میں قدرے اضافہ کیا ہے۔ علی اسد کی خوشی کی تلاش بھی اچھی تھی۔ اس شمارے کو ہماری بھابی جان حسینہ قمر اور بھائیوں عمران، عرفان، فاروق اور محمد عامر نے بہت ہی زیادہ سراہا ہے۔

فخر الدین، فیصل آباد

* میں چھے سال سے ہمدرد نونہال کا مطالعہ کر رہا ہوں اور میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اس کا معیار روز بہ روز بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا ہے۔ نونہال بچوں اور بڑوں میں یکساں مقبول ہے۔

سرورق لاجواب تھا۔ جاگو جگاؤ پسند آیا۔ جناب حکیم محمد سعید صاحب نے ماہ نومبر (اقبال کی پیدائش) کی مناسبت سے نونہالوں کو "خودی" کا جو درس دیا ہے وہ یقیناً قابلِ ستائش ہے۔ انھوں نے "خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر" کی جس دل کش انداز میں وضاحت کی ہے اس سے سعید صاحب کی علمی و ادبی اور مفکرانہ صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ "خلابازی میں ترقی" (جناب علی ناصر زیدی) "آپ کا شکریہ" (جناب مسعود احمد برکاتی) اور "دو مسافر دو ملک" بہترین مضامین تھے۔ "پتھر کا شیر" (جناب میرزا ادیب) بہت عمدہ کہانی تھی۔ "دو جوتے"، "آلو اور ٹی وی" اور "ریچھ اور کچھوا" بالکل بور، گھسی پٹی اور بچکانہ کہانیاں تھیں۔ "تحفے" کے تحائف پسند آئے۔ لطیفے سارے ہی عمدہ تھے۔ نونہال مصور کی جگہ کھیلوں سے متعلق معلومات اور مختلف کھلاڑیوں اور مشہور شخصیتوں کے انٹرویو اور حالاتِ زندگی شائع کریں۔ سید نسیم شوکت اقبال، کراچی

* اتنا شان دار اور اعلا پرچہ آج تک نہیں دیکھا نہ پڑھا اور کم قیمت پر بھی ملتا ہے کہ ہر بچہ غربت کے باوجود خرید سکتا ہے۔ ایک ایسا سلسلہ ہونا چاہیے جس میں ہمارے پیارے وطن پاکستان کے شہروں کی سیر کرائی جائے یعنی کہ ہر شہر کے عجیب و غریب واقعات اس کی مشہوری کی وجہ بتائی جائے۔ اس کے علاوہ لڑکیوں کے لیے بھی کچھ شائع کریں مثلاً امورِ خانہ داری، گھر کی سجاوٹ وغیرہ جیسے خاص مضمون اور اس قسم کی دوسری چیزیں۔

شمیم اختر، شاہین اختر، کراچی

* مجھے صرف نونہال ہی جان سے پیارا ہے لیکن افسوس آج تک میری کوئی تحریر چھپ نہ سکی۔ محمد شکیل خان آفریدی، ٹنڈو محمد خاں

* پتھر کا شیر (میرزا ادیب) دو جوتے بہت اچھی کہانی تھی اور دو مسافر دو ملک بہت اچھا تھا۔ سلسلے وار کہانی عارف پہ کیا گزری بہت اچھی کہانی ہے۔ اعجاز احمد، روہڑی

* اس مہینے سب کہانیاں اچھی تھیں۔ نونہال ادیب بھی بہت اچھا تھا۔ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بہت اچھا تھا۔ جناب نصر اللہ خاں کا مضمون "آلو اور ٹی وی" بھی بہت اچھا تھا۔

وسیم عبدالجبار، کراچی

* نومبر کا شمارہ چمکتا دمکتا تھا۔ کہانیاں رسالے کا دل تھیں اور نظمیں رسالے کی جان۔ کہانیوں میں دو جوتے بہت پسند آئی۔ جاگو جگاؤ اور دو مسافر دو ملک بھی پہلے سے بڑھے ہوئے تھے۔

عامر جاوید، خان پور

* نومبر میں یوں تو تمام مضامین ہی ٹھیک ٹھاک ہیں لیکن خوشی کی تلاش (علی اسد) اور آپ کا شکریہ (مسعود احمد برکاتی) بہت ہی اچھے تھے۔ میرزا ادیب صاحب کا پتھر کا شیر اس سے پہلے (غالباً کسی اور کے نام سے) بھی نونہال میں شائع ہو چکی ہے۔ جاگو جگاؤ، دو مسافر دو ملک، طب کی روشنی میں اور انسائکلوپیڈیا حسبِ معمول معیاری رہے لیکن ریموٹ کنٹرول والے سوال میں کچھ تشنگی سی محسوس ہوئی اس لیے آپ ذرا اس کو تفصیل سے بیان کر دیجیے۔ اس مرتبہ آپ نے معلوماتِ عامہ میں نہایت ہی مفید سوالات پوچھے ہیں۔ میری طرف سے انعام پانے والے نونہالوں کو دلی مبارک باد پہنچا دیں۔ صلاح الدین احمد کامران، کراچی

* اس دفعہ کا شمارہ بھی معمول کی طرح بے حد پسند آیا۔ باقی خلابازی میں ترقی، آلو اور ٹی وی، نونہال ادیب اور عارف پہ کیا گزری بے حد پسند آئے۔ ارجن سنگھ، سیال کوٹ

* سرورق اپنی مثال آپ تھا۔ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بھی اصلاحی تھا۔ کہانیوں میں پتھر کا شیر، ریچھ اور کچھوا پسند آئیں۔ دو مسافر دو ملک معلوماتی اور دل چسپ مضمون تھا، ہنسو ہنساؤ، ہنسو، خیال کے پھول، طب کی روشنی میں اور ہمدرد انسائکلوپیڈیا بھی انتہائی دل چسپ اور معیاری تھے۔ (۱) نونہال ادیب میں صفحہ ۱۰۸ کالم ۲، سطر ۱۸ میں لفظ اَحسَن کی جگہ لفظ آسان ہونا چاہیے تھا۔ (۲) حکیم محمد سعید صاحب سے ملاقات کا شرف کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ محمد نوید امجد، جہانیہ

> (۱) نہیں لفظ "اَحسَن" ہی ٹھیک ہے جس کے معنی ہیں "بہت اچھا"۔ (۲) حکیم صاحب کو خط لکھ کر وقت لے کر ملاقات ہو سکتی ہے۔

* نومبر کے نونہال کے سولہ صفحات بڑھانے پر شکریہ۔ "عارف پہ کیا گزری" بہترین تھی، لیکن اب اسے خواہ مخواہ طویل کیا جا رہا ہے۔ پتھر کا شیر متاثر نہ کر سکی۔ مجموعی طور پر رسالہ اچھا تھا۔

خاص طور پر جاگو جگاؤ رسالے کی جان تھی۔ دو مسافر دو ملک میں برکاتی صاحب نے لچک دار اور مثبت انداز اختیار کیا ہے۔ جو قابلِ تحسین ہے۔ خلا بازی کے سلسلے کا مضمون بے حد پسند آیا۔ آیندہ سائنس کی جدید تحقیقات کے متعلق ایک مضمون ضرور دیا کریں، کیوں کہ ہمارا سائنس کا نصاب قبل از آدم کا بنا ہوا ہے۔ اس سے ہمارے نوجوانوں میں سائنس میں دل چسپی پیدا ہوگی۔

مہربان اعظم طاہرہ اسماعیل خاں

> اس بار "پہلی بات" آپ کے خیالات کی ترجمانی کرتی ہے۔

* سرورق خاص نہیں تھا۔ کہانیوں میں پتھر کا شیر، کر بھلا ہو بھلا اور ریچھ اور کچھوا پسند آئیں۔ زید الحق انصاری، کراچی

* خاص نمبر ماشاء اللہ بہت خوب رہا۔ خاص نمبر نے مارکیٹ میں پہنچ کر دھوم مچا دی۔ جب کھول کر دیکھا تو واقعی پڑھنے کا مزہ آگیا۔ چھوڑنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا اور دوسری بات یہ کہ اتنی کم قیمت میں پورے سال بھر کے بارہ نونہالوں کا پڑھنے کا مزہ ایک ہی نونہال خاص نمبر پڑھ کر آگیا۔ نومبر کا نونہال بھی بہت پسند آیا۔ کہانیوں میں پتھر کا شیر اچھی لگی اور اس بات کی بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کو صحیح جواب بھیجنے والوں کے نام اور تصویریں شائع کرنے کی وجہ سے نونہال کے صفحے بڑھانا پڑے، مگر قیمت میں آپ نے کوئی تبدیلی نہ کی۔ میری طرف سے شکریہ قبول کیجیے۔ ایک بات یہ ہے کہ اگر میں اپنی ہی تصویر ٹریڈ ڈرائنگ کر کے بھیجوں تو کیا آپ شائع کر دیں گے؟

اے۔ ایچ۔ عبدالحق بھور، کراچی

> بھور میاں! آپ کا بہت شکریہ۔ خط مختصر لکھا کیجیے اور پتا ضرور لکھا کیجیے۔ تصویر دیکھ کر ہی کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

* سرورق زیادہ اچھا نہ تھا۔ البتہ جاگو جگاؤ حسبِ معمول بہترین تھا۔ تصویروں کا معیار پہلے سے بلند ہوا ہے۔ لطیفے بھی زیادہ اچھے نہ تھے۔ باقی کہانیاں اور نونہال ادیب اچھے تھے۔ نونہال کا سب سے بہترین سلسلہ "تحفے" ہے۔ اس کو پڑھ کر دل و دماغ کو راحت پہنچتی ہے۔ نومبر کے شمارے میں "آدمی" کے عنوان سے میرا بھیجا ہوا شعر جو اقبال عظیم صاحب کا ہے چھپا ہوا ہے، لیکن میرا نام نہیں لکھا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ نام کسی وجہ سے چھپ نہیں سکا۔ نونہال ملک کا سب سے بہترین رسالہ ہے۔ میں نے پاکستان کے تقریباً سب ہی بچوں کے رسالے پڑھے ہیں، لیکن کوئی ہمدرد نونہال کا ہم پلّہ نہیں ہے۔ عاصمہ حفیظ علوی، کراچی

> عاصمہ بی بی، ہمیں افسوس ہے کہ تمھارا نام چھپنے سے رہ گیا ہے۔ خیر اب تو سب کو معلوم ہو گیا نا؟

* جاگو جگاؤ مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ سرورق دل کش اور جاذبِ نظر تھا۔ پہلی بات میں محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا خط پڑھ کر دل خوش ہو گیا اور پتا چل گیا کہ ہمارا "ہمدرد نونہال" صرف بچے ہی نہیں پڑھتے ہیں بلکہ ملک کے بزرگ بھی اسے شوق سے پڑھتے ہیں۔ اس بار ہمیشہ کی طرح سب کہانیاں لاجواب تھیں۔ ہم نے ہمیشہ "ہمدرد نونہال" کو اپنا "ہمدرد" اور اچھے اور پاکیزہ روپ میں پایا۔ کیا جاگو جگاؤ کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے؟ اس کے منگوانے کا طریقہ کیا ہے؟ ایم ابراہیم خلیل کھوکھر، نوڈیرو

> خلیل میاں! تمھارا خط بہت خوب صورت ہے۔ جاگو جگاؤ کتاب چھپ چکی ہے۔ تم ہمدرد فاؤنڈیشن، ناظم آباد کراچی خط لکھ کر منگوا سکتے ہو۔

* عارف پہ کیا گزری، دو مسافر دو ملک، پہلی بات، جاگو جگاؤ، میرے پسندیدہ سلسلے ہیں۔ پہلی بات کو مستقل کر دیا جائے۔

نصر اللہ طاہر، چشتیاں

* جناب حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح نصیحت آموز تھا۔ جناب مسعود احمد برکاتی کی پہلی بات کو پڑھ کر ذہن کے بند دریچے کھلتے چلے گئے۔ اس مرتبہ کہانیوں میں پتھر کا شیر کے علاوہ سب سے زیادہ لطف دو مسافر دو ملک کی قسط میں تھا۔ یہ قسط اتنی پسند آئی کہ اس کی تعریف کے لیے شاید ڈکشنری میں بھی وہ الفاظ نہ ہوں۔ لطیفے آج کل معیاری آرہے ہیں۔ میں سالانہ خریدار بننا چاہتا ہوں اس لیے کیا کرنا چاہیے؟

ملک ایم سرور ندیم، حاصل پور

> تیس روپے کا منی آڈر کر دیجیے

* حکیم محمد سعید صاحب کی تحریر جاگو جگاؤ میں بڑی اچھی اچھی باتیں اور دینی معلومات ہوتی ہیں۔ میرے تمام ساتھی اسے

بہت پسند کرتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ حکیم محمد سعید صاحب کو زندگی و صحت دے تاکہ وہ ہمارے لیے اور بھی اچھی اچھی تحریریں لکھیں۔ عدیل رضا، کورنگی

* سرورق خاص نہ تھا۔ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح تاثیر انگیز تھا۔ "آپ کا شکریہ" (مسعود احمد برکاتی) جیسی تحریر دل میں منقش ہو گئی، لیکن کہانیاں "پتھر کا شیر" اور "اژدہا اور شکاری" جیسی کہانیاں ہم پہلے بھی اسی رسالے میں پڑھ چکے ہیں۔ سوائے کرداروں کے ناموں کی تبدیلی کے تمام کہانی وہی تھی۔

سیرہ نوشین، ثروت رحمٰن، کراچی

* سلسلے وار کہانی عارف پہ کیا گزری میں سلمٰی کو بہت زیادہ ڈرپوک دکھایا جا رہا ہے۔ حال آنکہ جب کہانی کا اعلان کیا گیا تھا جب یہ لکھا گیا تھا کہ "دو بہت بہادر بچّوں کی کہانی" اس مرتبہ تصاویر بہت اچھی تھیں۔ ہنسو بچّو ہنسو میں چند ایک لطیفے ہی نئے تھے باقی وہی پرانے تھے۔ کیا ہمدرد فاؤنڈیشن نے نظامِ شمسی کے متعلق کوئی کتاب نکالی ہے؟ پروین ظفر، حیدر آباد

جی نہیں، کوئی ایسی کتاب شائع نہیں کی۔

* جاگو جگاؤ نے متاثر کیا۔ خیال کے پھول اور لطیفے بھی اچھے اور نئے تھے۔ میں "ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی" اور "چند مشہور طبیب اور سائنس داں" کتاب منگوانا چاہتا ہوں۔ یہ بتا دیں کہ ان کے پیسے کتنے ہیں اور یہ پیسے کیسے بھیجیں؟

عمران احمد شیخ، ٹنڈو محمد خاں

پہلی کتاب کی قیمت ۲½ رُپے اور دوسری کی ۵ رُپے ہے۔ منی آرڈر کر دیجیے۔

* نومبر کا نونہال پڑھا بہت مزہ آیا۔ کہانیوں میں پتھر کا شیر، خوشی کی تلاش، الّو اور ٹی وی، دو جوتے اور اژدہا اور شکاری پسند آئیں عمران احمد نعمانی، کراچی

* کیا میں اپنی فوٹو صحت مند نونہال میں بھیج سکتا ہوں میری عمر ۱۳ سال ہے۔ طارق علی رانا، جہانیاں

پاس پورٹ کے لیے جیسی سادہ تصویر ہوتی ہے ایسی تصویر بھیج دیجیے۔

* مستقل سلسلے ہر ماہ کی طرح اس ماہ بھی پسند آئے۔ جناب حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ تو رسالے کی جان تھا۔ آپ کوئی انعامی سلسلہ شروع کر دیں۔ منیر احمد راجپوت، سانگھڑ

آپ اچھا رسالہ چاہتے ہیں یا انعام؟ اچھا رسالہ اپنی جگہ خود انعام ہے۔

* سرورق پسند آیا۔ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح سبق آموز اور نصیحت کا پہلو لیے ہوئے تھا۔ کہانیوں میں پتھر کا شیر، خوشی کی تلاش (علی اسد) اور اژدہا اور شکاری پسند آئیں۔ سائنسی مضمون خلا بازی میں ترقی کافی معلوماتی تھا۔ برکاتی صاحب کا سفرنامہ دو مسافر دو ملک نہایت دل چسپ، معلوماتی اور مزاح کا انمول شہ پارہ ہے۔ قسط وار کہانی عارف پہ کیا گزری رسالے کی جان تھی۔ کہانی کر بھلا ہو بھلا بور کہانی تھی۔ حکیم محمد سعید صاحب کے یوم پیدائش پر میری طرف سے مبارک باد قبول فرمائیں۔

محمد احسان، کراچی

* میرے پاس ۱۹۷۹ء سے لے کر اب تک کے تمام نونہال موجود ہیں۔ اب مجھے ۱۹۷۸ء یا ۱۹۷۷ء کے نونہال درکار ہیں۔ کیا وہ آپ کے یہاں سے مل سکیں گے؟ شازیہ بشیر، نواب شاہ

آپ پتا لکھتیں تو ڈاک سے جواب دے دیتے۔ ان برسوں کے رسالے نہیں ہیں۔

* کہانیاں اچھی تھیں۔ طب کی روشنی، جاگو جگاؤ، تحفے، ہمدرد انسائکلو پیڈیا اچھے سلسلے ہیں۔ کاشف رضا خاں اور سیما انجم خاں، جامشورو کالونی

* نومبر کا نونہال نہایت ہی خوب صورت تھا۔ کہانی "پتھر کا شیر" کی تصاویر تو بہت ہی خوب صورت تھیں۔ تمام کہانیاں بہت خوب صورت تھیں۔ سچ پوچھیے تو نومبر کا نونہال خاص نمبر سے بھی زیادہ خوب صورت تھا۔ عدیل صابر، محلہ آلہ داد خیل

* آپ نے معلوماتِ عامہ کے خطوں کی وصولی کی آخری تاریخ ۱۵ رکھی ہے۔ جب کہ آپ نے ایک اور نونہال کے جواب میں کہا تھا کہ آیندہ سے ۲۰ تاریخ کر دیں گے۔ تو وہ کب کریں گے؟

محمود احمد لوبی، سیال کوٹ

* آپ سوالات بھیجنے کی آخری تاریخ ۱۵ سے ۲۰ کر دیں، کیوں کہ ہمیں نونہال تقریباً ۹ یا ۱۰ تاریخ کو ملتا ہے۔

فرزانہ وہاب خانزادہ، حیدر آباد

اب تو رسالہ جلد شائع ہو رہا ہے اور ہمیں جلدی پریس بھیجنا پڑتا ہے۔

* نومبر کا سرورق خاص نہ تھا۔ جاگو جگاؤ نے ہمیشہ کی طرح متاثر کیا اور علمی زندگی گزارنے کی مشعلِ راہ دکھائی۔ کہانیوں میں "کیسے کیسے لوگ، خوشی کی تلاش، ریچھ اور کچھوا" پسند آئیں۔ جب کہ "پتھر کا شیر، اژدہا اور شکاری، کر بھلا ہو بھلا" خاص نہ تھیں۔ عارف پہ کیا گزری اچھی جا رہی ہے۔ پاکستان کے مختلف شہروں اور خوب صورت مقامات کے تعارف کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ خالد مجید مغل، کراچی

* نومبر کی سب کہانیاں مزے دار تھیں۔ کیا "نیل کے بچے" ابھی تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا؟ عارف پہ کیا گزری اچھی ہو گئی ہے۔ آپ نے لکھا ہے ہر دو مہینے کے بعد خط لکھیں تو کیا معلوماتِ عامہ کے جوابات بھی دو مہینے چھوڑ کر لکھیں؟

نوازش علی، کراچی

ہم نے صرف خط، مضمون اور کہانی وغیرہ کے لیے لکھا ہے۔

* نونہال کا سرورق پسند آیا۔ "جاگو جگاؤ" جناب حکیم محمد سعید کا سلسلہ ہم سب بہن بھائیوں کو پسند ہے۔ "عارف پہ کیا گزری" مسعود اقبال صاحب کی اچھی سلسلے وار کہانی ہے۔ پیارے بچوں کو ایک مہینے میں کم قیمت پر ایک اچھا رسالہ پڑھنے کو مل جاتا ہے۔ اچھی تحریریں خیال کے پھول، نظم، کارٹون، تحفے وغیرہ وغیرہ ایک اچھے رسالے میں سب کچھ ہے۔ مشکل الفاظ کے معنی بھی پڑھنے کو ملتے ہیں۔

نادرہ رئیس، کراچی

* کہانیاں، لطیفے، تحفے اور نظمیں غرض کہ سب کچھ اچھا تھا، لیکن سرورق خاص نہ تھا۔ اگر سرورق کے لیے تصویر بھیجیں تو ہمیں کیا کرنا ہو گا؟ طاہرہ مبین، محمد عقیل خان، کراچی

سرورق کے لیے تصویریں ہمارے آرٹسٹ صاحب خود تیار کرتے ہیں۔

* جاگو جگاؤ میں وہی خوبی موجود ہے جو کہ ایک گوہر میں ہونی چاہیے۔ ڈاکٹر اقبال کے بارے میں نونہال ادیب کا شوق دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ سید مقبول احمد، کراچی

* ہمدرد نونہال مجھے اور میرے گھر والوں کو بہت بہت پسند ہے۔ ہمارے گھر میں چھوٹے بڑے نونہال بڑے شوق سے پڑھتے ہیں اور ہر ایک کو پہلی تاریخ کا انتظار رہتا ہے۔ نونہال میں لطیفے، تحفے اور معلوماتِ عامہ بہت مزے کے ہوتے ہیں۔ خیال کے پھول اور جاگو جگاؤ بھی بہت پسند ہے۔ کہانیوں کا تو جواب نہیں۔ انیسہ نور محمد، سعدیہ ایوب، عظمیٰ ایوب، سکھر

* یہ ایک بہت ہی اچھا رسالہ ہے۔ اس میں ہر وہ خوبی ہے جو ایک اچھے رسالے میں ہونی چاہیے۔

ذوالفقار علی یوسفانی، میرپور خاص

* "جاگو جگاؤ" میرا پسندیدہ کالم ہے۔ نومبر کا نونہال پڑھا۔ "خیال کے پھول، تحفے، آپ کا شکریہ اور خوشی کی تلاش" بہت پسند آئے۔ مجھے آپ سے ایک شکایت ہے وہ یہ کہ آپ نونہالوں کے خطوں کے جوابات بہت جھنجھلاہٹ میں دیتے ہیں۔ شاید یہ میری غلط فہمی ہو۔ بلقیس کنول، کراچی

* نومبر کا چمکتا دمکتا رسالہ ملا۔ تمام کہانیاں بہترین تھیں۔ خاص طور پر عارف پہ کیا گزری، "آلو اور ٹی وی (نصر اللہ خاں)" اور نونہال ادیب کی کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ لطیفے معیاری ہوتے ہیں۔

صابر حسین، ملیر

* نومبر کا نونہال اپنے دامن میں خوب صورت تحریریں لے کر طلوع ہوا، پھر میں نے ٹھٹھرتی ہوئی سردی میں لحاف لپیٹ کر مطالعہ شروع کر دیا۔ حکیم محمد سعید صاحب کا "جاگو جگاؤ" نور کی روشنی پھیلا رہا تھا۔ "کیسے کیسے لوگ" میں تاریخ کے مختصر واقعات نے ایمان افروز باتیں بتائیں۔ "خلابازی میں ترقی" دل چسپ معلومات لیے ہوئے تھا۔ جناب مسعود احمد برکاتی کا مضمون "آپ کا شکریہ" مختصر ہونے کے باوجود لفظ شکریہ کی مکمل عکاسی کر رہا تھا۔ "پتھر کا شیر، خوشی کی تلاش، آلو اور ٹی وی، دو جوتے، اژدہا اور شکاری، کر بھلا ہو بھلا، ریچھ اور کچھوا" بہت ہی خوب صورت اور دل چسپ کہانیاں تھیں۔ مصنفین واقعی مبارک باد کے مستحق ہیں۔ لطیفے پہلے سے

کچھ بہتر تھے۔ نونہال ادیب میں تمام تحریریں قابلِ ستائش تھیں لیکن عبیداللہ کیہر کا "خوش گوار دن" پڑھ کر ہمدرد سینٹر اور مسعود احمد برکاتی صاحب کے بارے میں بہت کچھ جان لیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں خود وہاں موجود ہوں۔ عرفان احمد، دائرہ دین پناہ

* خاص طور پر "پتھر کا شیر"، "کیسے کیسے لوگ" اور مسعود احمد برکاتی صاحب کی تحریر "آپ کا شکریہ" بہت پسند آئیں۔ کہانی "دو جوتے" پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ معلوماتِ عامہ کے سوالات بہت مشکل تھے۔ نظموں میں نظم "غصہ" بہت اچھی تھی۔ خالد محمود قریشی، کراچی

* حسبِ معمول جاگو جگاؤ سبق آموز تھا۔ پڑھ کر دل کو تسکین ملی۔ تمام تحریریں عمدہ تھیں۔ مدیحہ فرحین شیخ، نواب شاہ

* ماہ نومبر کا نونہال پڑھا۔ ہمیشہ ہی کی طرح پسند آیا۔ تمام ہی کہانیاں اور نظمیں پسند آئیں۔ "دو مسافر دو ملک" نہایت ہی اچھا سفرنامہ ہے۔ "عارف پہ کیا گزری" نہایت ہی اچھی سلسلے وار کہانی ہے۔ کیا ہم میرزا ادیب، علی اسد، اور جناب حکیم محمد سعید صاحب اور معراج کو نونہال کی معرفت خط لکھ سکتے ہیں؟ آفتاب عالم قریشی، حیدر آباد

ضرور لکھ سکتے ہیں۔

* نومبر کا شمارہ مجموعی طور پر اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ کی روشنی سے دل منور ہوا۔ کہانیوں میں "کر بھلا ہو بھلا"، "پتھر کا شیر"، "ریچھ اور کچھوا" اچھی تھیں۔ سلسلے وار کہانی "عارف پہ کیا گزری" پہلے سے زیادہ دل چسپ ہو گئی ہے۔ شرلاک ہومز عرف اجو، کراچی

* کہانیوں میں "عارف پہ کیا گزری، پتھر کا شیر، خوشی کی تلاش اور دو مسافر دو ملک" بہترین کاوشیں تھیں۔ اتنا بہترین رسالہ نکالنے پر میری جانب سے جناب حکیم محمد سعید صاحب کو ڈھیروں مبارک باد قبول ہو۔ شیر بہادر، اورنگی کراچی

* نومبر کا "ہمدرد نونہال" بہت سی اچھی اچھی کہانیوں اور دوسری نصیحت آمیز باتوں سے بھرا ہوا تھا۔ جاگو جگاؤ بہت اچھا تھا اور اس کے علاوہ اقوالِ زریں بھی کافی نصیحت آمیز تھے۔ میں ایک بات سے آپ سے ناراض ہوں کہ آپ حضرات میرے نام کے آگے میرا تخلص استعمال نہیں کرتے۔ حال آنکہ "زخمی" اتنا بُرا تخلص تو نہیں ہے۔ ایم افضل زخمی، ڈگری

زخمی صاحب! آپ اپنا دل زخمی نہ کریں، صرف تخلص ہی زخمی رکھیں۔ بلکہ آپ کہیں تو ہم آپ کو زخمی خطاب دے دیں۔

* "عارف پہ کیا گزری" ایک بے حد دل چسپ سیریز چل رہی ہے۔ مہروز اقبال اسے بے حد دل چسپی سے لکھ رہے ہیں۔ "پتھر کا شیر" سبق آموز کہانی تھی۔ مزاحیہ فیچر "الو اور ٹی وی" پسند آیا۔ سرورق خوب صورت تھا۔ اس کے علاوہ دو مسافر دو ملک اور جاگو جگاؤ بے حد دل چسپی سے پڑھتے ہیں۔ لطیفے معیاری اور اچھے تھے۔ رؤف حسن، کراچی

* مشتاق صاحب کے کارٹون بے حد پسند آئے۔ کہانیوں میں خوشی کی تلاش اور پتھر کا شیر نے زیادہ متاثر کیا۔ سہیل احمد ثاقب، بشیر آباد

* نومبر کا شمارہ پڑھا بے حد پسند آیا۔ سرورق دل کش تھا۔ سلسلے وار مضمون "دو مسافر دو ملک" نہایت دل چسپ اور معلوماتی ہے۔ کہانیوں میں "خوشی کی تلاش، پتھر کا شیر اور دو جوتے" دل چسپ تھیں۔ معلوماتی مضمون "خلابازی میں ترقی" بہت پسند آیا۔ عتیق الرحمٰن ملک، کراچی

* اس ماہ کے نونہال کے سرورق میں کوئی کشش نہ تھی۔ بس واجبی سا ہے۔ تصویروں کا معیار ابھی تک بلند نہیں ہوا۔ لطائف سوائے ایک دو کے سب بے مزہ اور پھیکے تھے۔ ہنسی نہیں آئی۔ ویسے کہانیوں کا معیار کافی بہتر ہے۔ جاگو جگاؤ حسبِ معمول پسند آیا۔ خالد عبداللہ خان چاچڑ، سکھر

* علم کی روشنی اور نور پھیلاتا ہوا نونہال ملا۔ سرورق دیکھ کر خوشی سے چیخ اٹھی، پھر جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ پڑھ کر دل کو ٹھنڈک پہنچی، پھر پہلی بات پڑھی جس نے روح کو فرحت بخشی۔ کہانیوں میں پتھر کا شیر سب سے نمبر لے گئی۔ ہمدرد نونہال ہمارے لیے تفریح کے علاوہ علمی مواد بھی مہیا کرتا ہے۔ طاہرہ خاتون، کراچی

* نونہال کا خاص نمبر پڑھ کر مزہ آگیا تھا۔ خاص کر حکیم صاحب کی شرارتیں اور آپ کا لکھا ہوا سفرنامہ اور میرزا ادیب کا ناول بہت مزے دار تھے۔ صحت کے ۹۹ نکتے اچھے ثابت ہوئے۔ جاگو جگاؤ، خیال کے پھول اور لطیفے اچھے تھے۔ اشتیاق احمد، کورنگی

حمد

مرسلہ: سعید احمد، دھنوٹ

آؤ آؤ دِل بہلاؤ

حمد خدا کی گاتے جاؤ

جس نے دنیا پیدا کی

جس نے ہم کو روٹی دی

پانی، مٹی، آگ، ہوا

کھیل ہے اس کی قدرت کا

سورج دن کو شب کو تارے

کیسے اچھے پیارے پیارے

آؤ آؤ خوش ہو جاؤ

نغمہ اُسی کی حمد کا گاؤ

نعت

مرسلہ: خالد محمود، ہری پور

سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی

سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

سلام اس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے

سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو دعائیں دیں

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سُن کر دعائیں دیں

سلام اس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں

سلام اس پر کہ جو زخمی ہوا بازارِ طائف میں

سلام اس پر کہ جس کے ساتھ اپنے جنگ کرتے تھے

سلام اس پر کہ جس کو مکّے والے تنگ کرتے تھے

حکیم محمد سعید

صلاح الدین کامران، کراچی

حکیم محمد سعید ۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی کے ایک عِلم دوست گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حکیم عبدالمجید جوانی ہی میں انتقال کر گئے۔ حکیم محمد سعید کی ترقی اور شہرت کی اہمیت صرف سرکاری خدمات کی وجہ سے نہیں، بلکہ اصولِ صحت اور علم طِب تعلیم نشر و اشاعت اور عوام کی پُرخلوص خدمت کی وجہ سے ہے۔ ملک وقوم کی حالت تباہ ہوتے دیکھ کر ان کا دل بھر آیا، مگر انھوں نے آہ و فریاد سے زمانے کو چونکانا مناسب نہ سمجھا۔ کبھی چٹکیاں لے کر اور کبھی طنزیہ باتیں کہہ کر دِلوں کو اُبھارنے کی کوشش نہ کی۔ وہ مغرب کی اندھی تقلید کرنے والے اہلِ مشرق کو طرح طرح سے سمجھاتے ہیں کہ دیکھو آنکھ بند کرکے یورپ کی ہر بات کو قبول نہ کرو بلکہ وہ جوہر پیدا کرو جس سے تمھاری اور ملک و قوم کی حالت بہتر ہو۔ روزمرّہ زندگی کی اصلاح اپنی مختصر مگر سادہ تحریروں سے اس انداز سے کرتے ہیں کہ فلسفی اور واعظ کی لمبی لمبی تقریروں اور تحریروں سے ہزار ہا درجے بہتر ہوتی ہیں۔ حکیم صاحب محترم قوم کے اُن محسنوں میں سے ہیں جنھوں نے اس قومی ضرورت کو محسوس کیا اور اپنی تمام تر توانائیاں اس عظیم الشان مقصد کے لیے وقف فرما دیں۔

حکیم صاحب نے ۱۹۵۳ء میں ہمدرد کو اپنی ذاتی ملکیت سے نکال کر قومی وقف بنا دیا۔ اس کی آمدنی رفاہی کاموں پر خرچ کرنے لگے۔ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے ۱۹۶۴ء میں حکیم صاحب نے ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن قائم کی۔ جس کے صدر حکیم صاحب خود ہیں۔ آپ اندرونِ ملک اپنی گوناگوں علمی، ادبی، فنّی اور تہذیبی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ بیرونی ممالک میں بھی عِلم وفن اور تہذیب و ثقافت کے فروغ کے لیے سرگرم کار رہے ہیں۔ حکیم صاحب نے ۱۴۔ اگست ۱۹۵۸ء میں جامعہ طبیہ شرقیہ کی بنیاد ڈالی اور اس طرح طبِ مشرقی کی تعلیم اور ترویج کے لیے ایک بنیاد فراہم ہو گئی۔

مشہور ماہ نامہ "ہمدرد صحت" ۱۹۴۸ء سے پاکستان میں نہایت پابندی اور آب و تاب کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ طِب مشرق کو بیرون ممالک میں مقبول بنانے کے لیے انگریزی زبان میں "ہمدرد میڈیکل ڈائجسٹ"، "میڈیکل ٹائمز" اور "ہمدرد میڈیکس" جاری کیے گئے۔ اس کے علاوہ ۱۹۵۳ء سے بچّوں کے لیے "ہمدرد نونہال" باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے اور بچّوں کے رسائل میں مقبول ترین ہے۔ حکیم صاحب یونیسکو کا رسالہ "پیامی" بھی شائع کر رہے ہیں۔ مندرجہ بالا تمام رسائل بھی انھی کی زیرِ ادارت شائع ہوتے ہیں۔

حکیم صاحب باقاعدگی سے پورے پاکستان میں مطب بھی کرتے ہیں۔ وہ ہر ہفتہ اور اتوار کو کراچی میں مطب کرتے ہیں۔ وہ صبح کی اذان جانے نماز پڑھتے ہیں اور پابندی سے ٹینس بھی کھیلتے ہیں۔ آپ رسائل کے لیے بھی

کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے ہیں اور بیرونی ممالک سے آئے ہوئے خطوط کے جوابات بھی دیتے ہیں۔

حکیم صاحب متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں جن میں "ہمدرد فارماکو پیا آف ایسٹرن مڈیسن، مڈیسن اِن چائنا، یورپ نامہ، جرمنی نامہ، قلب اور صحت" وغیرہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ حکیم صاحب حرکت میں برکت کے قائل ہیں اور صرف پانچ گھنٹے سوتے ہیں۔ ان کی کام یابی اور عظمت کا راز خود ان کے الفاظ میں یہ ہے:

"میں نے اپنی پوری زندگی کوشش کی ہے کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑا جائے۔ اس اصول پر عمل کر کے میں نے بہت کام یابیاں حاصل کی ہیں۔ ہمدرد کو صفر سے ایک عالمی ادارہ بنا دینے میں اس اصول کو اہمیت حاصل ہے۔"

پچھلے دنوں ہم کچھ فارغ تھے تو ہم نے سوچا کہ کسی بڑی شخصیت کا انٹرویو لیا جائے۔ اب ہم نے سوچنا شروع کر دیا کہ کس کا انٹرویو لیا جائے تو ہماری نگاہِ انتخاب حکیم محمد سعید صاحب پر ٹھہری۔ خیر ایک دن ہم وقت لے کر اِن کے پاس پہنچ گئے۔ اب ہماری ان سے جو گفت گو ہوئی وہ آپ بھی سُنیے:

حکیم صاحب زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

زندگی گزارنے کا صرف وہی طریقہ صحیح ہے جو قرآنِ حکیم ہمیں بتاتا ہے۔ جب ہم قرآن پر عمل کرتے تھے تو ہم برتر تھے، ہر راحت ہم کو میسر تھی اور ہم دنیا کو راستہ بتاتے تھے اور روشنی دیتے تھے، کیوں کہ قرآن روشنی ہے۔

روزے کے چند فوائد ہمیں بتائیے؟

روزے کے جہاں بہت سے روحانی و اخلاقی فائدے ہیں وہاں اس کا ایک طبّی فائدہ بھی ہے۔ روزہ رکھ کر آدمی دن بھر غذا کے بغیر رہتا ہے اس عرصے میں اس کے جسم اور معدے کو آرام ملتا ہے اور اس کا نظامِ ہضم بہتر ہو جاتا ہے۔

خود اعتمادی کے بارے میں ہمیں کچھ بتائیے؟

جو خوبیاں انسان کو آگے بڑھنے اور خوش رہنے میں مدد دیتی ہیں ان میں خود اعتمادی کی خوبی بھی شامل ہے۔ خود اعتمادی ہو تو کام یابی کی اُمید ہوتی ہے۔ خود اعتمادی انسان میں ہمّت اور استقلال پیدا کرتی ہے اور زیادہ سے زیادہ کوشش پر اُکساتی ہے۔

تو آپ کے خیال میں خود اعتمادی پیدا کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

خود اعتمادی پیدا کرنے کے لیے محنت اور کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اگر تم اپنے ذہن میں یہ بات بٹھا لو جو کام کرو گے ضرور کام یاب ہو گے، تو کچھ دن میں اعتماد پیدا ہونے لگے گا۔

قیامِ پاکستان کے پیچھے کیا مقاصد کارفرما تھے؟

پاکستان ہم نے اس لیے بنایا تھا کہ یہاں ہمیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات پر چلنے کی پوری آزادی ہو اور اطاعتِ الٰہی کے راستے میں کوئی رُکاوٹ نہ ہو۔

سچائی کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

زندگی میں کام یابی کا انحصار سچائی پر ہے سچائی کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو بات کہے اس پر دل سے یقین بھی رکھتا ہو، اس پر عمل بھی کرتا ہو، جو خیال، نظریہ اور عقیدہ اپنائے اس سے خلوص کے ساتھ وابستہ رہے۔

غلطی کے متعلق آپ کے کیا نظریات ہیں؟

غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے۔ بعض لوگ اپنی غلطی تسلیم نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اپنی غلطی ماننے سے انسان حقیر ہو جاتا ہے۔ حال آنکہ اپنی غلطی تسلیم کرنے سے آدمی حقیر نہیں ہوتا، بلکہ اس کی عزت بڑھ جاتی ہے۔

آپ کی نظر میں دنیا کی سب سے بڑی طاقت کون سی ہے؟

اخلاق سب سے بڑی طاقت ہے۔ یہ وہ طاقت ہے جس کے سامنے دُنیا کی تمام طاقتیں ہیچ ہیں۔ یہ وہ طاقت ہے جس کا مقابلہ کوئی دوسری قوت نہیں کر سکتی۔ یہ وہ توانائی ہے جس کے سامنے جوہری توانائی بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

تعلیم کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں؟

تعلیم کو انسان کا زیور کہا جاتا ہے اور تعلیم انسان میں وہ حُسن، دل کشی اور خوب صورتی پیدا کرتی ہے جو کسی دوسری چیز سے نہیں پیدا ہو سکتی سوائے تعلیم کے۔

جنگ کے متعلق آپ کے کیا نظریات ہیں؟

جنگ ایک خوف ناک لفظ ہے، جنگ تباہی اور بربادی کا ذریعہ ہے۔ جنگ اچھی چیز نہیں ہے۔ اور اس سے امن درہم برہم ہو جاتا ہے جس سے اچھی چیز دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

لڑائی جھگڑے کے متعلق آپ کے خیالات کیا ہیں؟

لڑتے جھگڑتے ہوئے لوگ انسان نہیں معلوم ہوتے بلکہ کچھ اور ہی معلوم ہوتے ہیں۔ لڑائی جھگڑا زبانی ہو تب بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

آپ نونہالوں کو کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟

نیا سال آگیا ہے، اس کا آغاز اس ارادے سے کیجیے کہ آپ اس کے ایک ایک لمحے کو قیمتی جانیں گے اور پورے خلوص کے ساتھ علم کی دولت حاصل کریں گے۔ اس سال کو علم میں اضافے کا سال قرار دے دیجیے اور قدرت کی عطا کی ہوئی قوتِ ارادی کو پورے خلوص کے ساتھ استعمال میں لائیے۔

پیارے نونہالو! ابھی ہم یہاں تک ہی پہنچ پائے تھے کہ ہمیں کچھ شور سا محسوس ہوا۔ خیر جب ہماری آنکھ کُھلی تو ہم بستر پر تھے اور امی ہمیں آواز یں دے رہی تھیں۔

نوٹ :۔

یہ انٹرویو جا گو جگاؤ کے اقتباسات پر مشتمل ہے۔

نیا سال آیا

مرسلہ: محمد خالد احسان، کراچی

نیا ہے زمانہ نئی ہیں ہوائیں
نئی زندگی ہے نئی ہیں ادائیں
کھسکنے لگیں دُور ساری بلائیں
بدی کو زمانے سے یکسر مٹایا

نیا سال آیا، نیا سال آیا

ستاروں نے اپنا ٹھکانہ بھی بدلا
نئے سال کا اب فسانہ بھی بدلا
بدل ڈالو خود کو زمانہ بھی بدلا
نئی ساری باتیں نئے گیت لایا

نیا سال آیا، نیا سال آیا

عَلَم عزم و ہمت کا پھر سے اُٹھاؤ
ترقی کی راہوں کو پختہ بناؤ
اُٹھو اور دیے علم و فن کے جلاؤ
زمانہ ترقی کی راہوں پہ آیا

نیا سال آیا، نیا سال آیا

اقرا

مزمل فردوس احمد، کراچی

آج کل پاکستان میں جہاں ٹیلے وژن نہ ہو، وہاں پر رونق ناممکن ہے۔ آج کل ٹی وی ہی لوگوں کی جان بنی ہوئی ہے، چوں کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے اس لیے ٹی وی شروع بھی اللہ کے نام سے ہوتا ہے اور ختم بھی اللہ کے نام پر۔ آج کل دنیا ایسی ہے کہ مسلمان اپنے دین کو بھولتے جا رہے ہیں۔ اسی لیے پاکستان میں لوگوں کو دین پر قائم رکھنے کے لیے کچھ مذہبی پروگرام بھی دکھائے جا رہے ہیں۔ انھیں میں "اقرا" بھی ہے۔ اس پروگرام میں قرآن شریف سُنا کر اس کا ترجمہ سُنایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بچّوں کو قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی ہے۔ سب یہ پروگرام بڑے شوق سے سنتے ہیں۔ جس سے اسلامی معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ بڑا معلوماتی پروگرام ہے، کیوں کہ یہ عین حضورؐ کے فرمان کے مطابق ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ "دینی تعلیم حاصل کرو خواہ تمھیں چین تک سفر کرنا پڑے۔" ہم دُور دراز سفر تو نہیں کر سکتے اسی لیے اللہ نے ہمیں سائنسی تعلیم سے نوازا ہے جس کی یہ دولت ہمیں ٹیلے وژن ملا اور ٹیلے وژن پر دینی معلومات کا پروگرام "اقرا" ہمیں سننا اور سمجھنا نصیب ہوا۔ "اقرا" کے ساتھ ساتھ ٹیلے وژن پر احادیث بھی سنائی جاتی ہیں جو بہت اچھی بات ہے۔ چند احادیث میں بھی سُناتی ہوں۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ:

(۱) دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرو۔

(۲) بہترین انسان وہ ہے جو قرآن خود سیکھے اور دوسروں کو بھی سکھائے۔

(۳) اچھا انسان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

موئن جو دڑو کی سیر

سید ہدایت علی نقوی، جیکب آباد

دنیا میں کتنی ایسی قدیم جگہیں ہیں جو ہمیں اپنی قدیم ترین تہذیب، ثقافت، مذہب، زندگی، طرزہائے بودوباش اور اندازہائے خوردونوش کا مطالعہ و مشاہدہ کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ دنیا کی سب سے قدیم ترین تہذیبیں مصر و عراق میں ہیں جن کی کچھ کڑیاں ہند و سندھ میں بھی ملتی ہیں۔ پاکستان میں ان کا ایک سلسلہ موئن جو دڑو، بھنبھور، منصورہ، ہڑپہ، ٹیکسلا، سوات گلگت کی برف پوش وادیوں میں ملتا ہے۔ یہاں بے شمار تہذیبیں زمانے کی دستبرد کے سبب دفن ہیں۔

جب ہمارے گورنمنٹ ہائی اسکول جیکب آباد کی اسٹوڈینٹس آرٹ اینڈ اسپورٹس اکیڈمی (مخفف سلما)
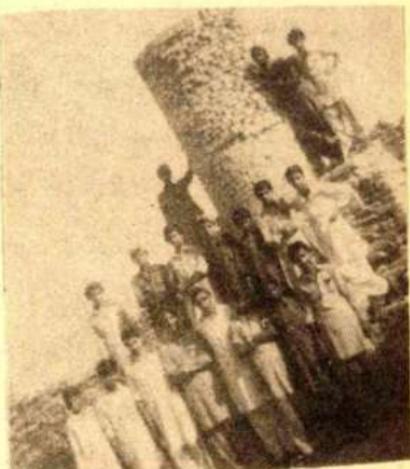
کا پروگرام بنا کہ کسی قدیم ترین مشہور جگہ کی سیر کی جائے تو سب سے پہلے موئن جو دڑو ہی کا خیال آیا۔ جس پر سب متفق ہو گئے۔ اس دورے کے لیے کُل سترہ طالب علم تیار ہوئے اور یہ سفر اسکول کے دو ٹیچرس کی نگرانی میں شروع ہوا۔

چینی زبان کی کہاوت ہے کہ کسی چیز کو ایک بار دیکھنا ہزار بار سُننے سے بہتر ہے۔ موئن جو دڑو کے بارے میں ہم نے پہلے ہی بہت کچھ پڑھا ہوا بھی تھا اور سُنا ہوا بھی لہٰذا ہمارا یہ سفر اس کہاوت کے تحت جاری ہوا۔

جمعہ کی سہانی صبح ہم سب شہر کے ریلوے اسٹیشن پر جمع ہوئے۔ لڑکوں نے پہلے ہی سے چندہ جمع کر رکھا تھا اس لیے اُستاد صاحب نے ٹکٹ لیے اور ہم سب ہنستے کھیلتے پسنجر ٹرین میں سوار ہوئے۔

ہر لڑکا اپنے ساتھ اپنا مختصر سا سامان لایا تھا، کیوں کہ یہ سفر صرف دو دن پر مشتمل تھا۔ ہنسی مذاق میں وقت کا احساس نہ ہوا، اس لیے جلد ہی منزل آ گئی۔ سر نبی بخش اپنا کیمرا ساتھ لائے تھے۔ موئن جو دڑو کے اسٹیشن پر گروپ فوٹو کھینچا گیا۔ سامنے سبزہ ہی سبزہ لہرا رہا تھا۔ منظر بہت دل کش تھا۔

پھر ایک راہ گیر سے شہری آبادی کا راستہ دریافت کیا گیا اور ایک سایہ دار پگڈنڈی پر چلنا شروع کیا۔ سورج کافی اوپر چڑھ آیا تھا۔ ذرا گرمی لگ رہی تھی، مگر گاہے گاہے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے گرمی کا احساس کم کر دیتے

تھے۔ وہاں سے تقریباً تین چار کلو میٹر مزگشت کرنے کے بعد ڈوکری نام کا شہر آیا۔ وہاں پر ایک ہائی اسکول تھا جو پہلے کبھی ہاسٹل رہ چکا تھا۔ ہمیں وہیں کچھ دیر قیام کرنا تھا لہٰذا ہم تو سایہ دار درختوں کے سائے میں سستانے لگے۔ استاد صاحبان لیٹر وغیرہ لے کر اسکول چلے گئے۔ قریب ایک چھوٹی سی نہر جا رہی تھی۔

جمعہ کا دن تھا۔ تعطیل تھی، پھر بھی چوکیدار کے ذریعے سے ہیڈ ماسٹر صاحب تک رسائی ہوئی۔ اس ہائی اسکول کی بلڈنگ بہت عالی شان تھی بہت عمدہ اور بہت بلند۔ لان بھی تھے، بچّوں کی دل چسپی کا سامان بھی تھا۔

دوپہر ہو چکی تھی۔ بھوک لگ رہی تھی۔ وہیں درختوں کے نیچے گھاس کے اوپر دسترخوان بچھایا گیا اور صبح کو جو کھانا لے کر چلے تھے وہ چُنا گیا اور مذہبی طریقے پر تناول کیا گیا۔ قریب ایک ہینڈ پمپ لگا ہوا تھا۔ اس کا پانی شیریں اور ٹھنڈا تھا۔ لہٰذا خوب دِل بھر کے پانی پیا اور ہاتھ پیر دھوئے۔ واٹر کولر بھی وہیں سے بھر لیا، پھر استاد نبی بخش صاحب اور وزیر احمد صاحب تو ملنے چلے گئے۔ ہم لڑکے وہیں لان پر لیٹ یا بیٹھ گئے۔ کچھ لڑکے تاش کھیلنے لگے۔ میرا ایک کلاس فیلو عبدالوہاب نماز پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔

لڑکے ٹولیوں میں بَٹ گئے۔ دوسری طرف چند فن کار قسم کے لڑکے بھی تھے۔ خاص طور پر البیلا اجو دسویں کا طالب علم ہے۔ وہ بہت اچھا گلوکار، اداکار، فن کار اور لطیفہ گو ہے وہ اپنی مزے دار باتوں، حرکتوں سے ہم سب کو خوب ہنساتا رہا۔

وقت مزے سے گزرتا رہا۔ کچھ دیر بعد اُستاد صاحبان بھی آگئے وہ بھی ہم سے بے تکلّف ہو گئے۔ ان کے ساتھ ایک دو مقامی اُستاد بھی آئے تھے۔ ہمیں بالائی منزل کا ایک کمرہ دیا گیا جس میں نہ لائٹ تھی نہ پنکھا اور نہ دریاں، لیکن ہم نے مسجد کی چٹائیاں استعمال کیں اور اپنا سامان ایک گوشے میں رکھا۔ پھر ہم میں سے کچھ آرام کرنے لگے اور کچھ قریبی نہر پر نہانے۔ میں بھی نہر پر چلا گیا اور نہر میں کُود گیا۔ ساری تھکن اور سستی دُھل گئی اور طبیعت بہت خوش ہوئی۔ دل و دماغ ترو تازہ ہو گیا۔ شام ختم ہو چکی تھی۔ رات کی رانی اپنی زلفیں پھیلا رہی تھی۔ شام سات بجے تمام لڑکے جمع ہوئے اور اساتذہ کی رہنمائی میں ڈوکری کا زرعی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ دیکھنے کے لیے تانگوں میں سوار ہوئے، مگر وہاں پہنچ کر مایوسی ہوئی، کیوں کہ انسٹی ٹیوٹ بالکل بند پڑا تھا۔ بس دُور ہی سے خوب صورت عمارت دیکھ کر واپس ہو گئے، پھر چائے پینے کا پروگرام بنا اور ڈوکری کا بازار گھومنے لگے۔ وہاں کے اکثر لوگ ہمیں اپنا کام چھوڑ کے یوں دیکھنے لگے جیسے ہم چڑیا گھر سے بھاگے ہوئے ہوں یا انگریز ہوں۔ کیوں کہ یہاں کے پس ماندہ علاقوں میں غیر ملکیوں کو اسی طرح دیکھا جاتا ہے، پھر ایک ہوٹل میں چائے

پی۔ وہاں سے واپس ہوئے تو راستے میں ایک اوپن ائیر سینما آیا جس میں پنجابی فلم کا نائٹ شو چل رہا تھا۔ لڑکوں نے کافی زور لگایا کہ فلم دیکھی جائے، مگر اساتذہ راضی نہ ہوئے۔

وہاں سے اساتذہ ہمیں اپنے ایک دوست کے ہاں لے گئے جہاں انھوں نے کمالِ مہربانی سے ہم سب کے لیے کھانے کا بندوبست کیا۔ پھر ذرا گھومنے کے لیے باہر نکل گئے۔ میں اور عبدالوہاب "وَرڈ بلڈنگ کمپٹیشن" سے الفاظ کا ذخیرہ بڑھانے لگے۔ یعنی پہلے میں نے ایک لفظ کنگ (KING) کہا۔ اب عبدالوہاب کو کنگ کے آخری حروف جی سے کوئی دوسرا لفظ جواب میں کہنا تھا، اگر نہ کہتا تو ہار جاتا، لہٰذا اس نے گورنمنٹ کہا۔ اب مجھے حروف ٹی سے کوئی لفظ بنانا تھا، لہٰذا میں نے ٹائم کہا۔ اور پھر یوں سلسلہ چلتا تھا۔ اس دوران ہماری واقفیت بھی بڑھتی گئی اور یادداشت بھی تازہ ہوتی گئی۔

پھر واپسی اسکول میں ہوئی جہاں چھت پر سونے کا پروگرام بنایا۔ سونے سے پہلے سب نے ہنسی مذاق سے دِل بہلایا۔ کچھ نے گانے سنائے، کچھ نے دل چسپ لطیفے کچھ نئے اشعار۔ میں نے بھی چند لطیفے اور شعر سُنائے۔

پھر گیارہ بارہ بجے سب کو سو جانے کا حکم ملا، مگر لڑکے چین سے کہاں سونے دیتے۔ کُھسر پھُسر کیے جاتے، استادوں نے ناراضگی بھی ظاہر کی، مگر لڑکوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ ہاں مچھروں نے بہت تنگ کیا۔ اس وقت کچھ سردی بھی بڑھ گئی تھی۔ اس لیے صبح کو وزیر صاحب نے کہا: ایک مچھروں کی یلغار، دوسرے لڑکوں کی گفتار، تیسرے شب کی "ٹھنڈ کار" نے سونے نہیں دیا۔

بہرحال اچھی طرح کوئی نہ سو سکا۔ علی الصبح سب ہی اُٹھ بیٹھے۔ سردی اچھی خاصی تھی، مگر اکثر لڑکوں نے غسل کیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر ہوٹل میں ناشتا کیا اور موئن جو دڑو جانے والی بس میں سوار ہو گئے۔ ڈوکری سے موئن جو دڑو تک کا فاصلہ بیس پچیس منٹ میں طے ہوا۔ بس سے اُترے تو سامنے موئن جو دڑو کا بڑا سا گیٹ تھا جس کی پیشانی پر انگریزی رسم الخط میں اس انداز سے موئن جو دڑو لکھا تھا کہ موئن جو دڑو کی قدیم تہذیب و تحریر کی نمائندگی کر رہا تھا۔ پہلی نظر میں تو پڑھنا بھی مشکل لگا۔ بہرحال گیٹ عبور کر کے اندر داخل ہوئے، اطراف میں گارڈن بنے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی میوزیم، پی آئی اے کا ریسٹورنٹ، ایک دو دفاتر اور اس کے ساتھ ہی چند درختوں کے سائے میں سستا سا ہوٹل چل رہا تھا۔ جس پر ہم نے اپنا اپنا سامان بہ طور امانت رکھا کہ موئن جو دڑو کے کھنڈرات کو آسانی سے دیکھ سکیں۔ اس وقت صبح کے آٹھ بجنے والے تھے۔ لہٰذا وہاں سے ہم کھنڈرات کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس کو دو تین علاقوں میں منقسم کر رکھا تھا جس نے جس علاقے کو دریافت

کیا وہ علاقہ اسی کے نام سے منسوب ہو گیا۔ مثلاً ڈی اے علاقہ، ڈی کے علاقہ وغیرہ۔

یہ تو آپ نے پڑھا ہی ہو گا کہ موئن جو دڑو کی سب سے پہلے اصل کھدائی ۱۹۲۲ء میں سر جان مارشل نے کروائی تھی۔ یہاں کے چند کھنڈرات کی تصاویر تو ہم نے کتابوں میں دیکھ رکھی تھیں۔ اب بہ چشم خود حقیقت میں دیکھ کر عجیب سی حیرت و مسرت محسوس ہو رہی تھی۔ ایک طرف قدیم سوئمنگ پول بنا ہوا تھا کہ بالکل جدید لگ رہا تھا۔ جس کو دیکھ کر بڑی مسرت ہوتی تھی۔ پھر ان کے مکانات کے سلسلے چلتے گئے۔ عام لوگوں کے لیے چھوٹے چھوٹے مکانات اور کمرے بنے ہوئے تھے۔ اعلا حکم راں طبقے کے لیے بڑے بڑے اور پختہ عمدہ انداز میں مکانات بنے ہوئے تھے۔ جن میں سے اکثر کی اب بنیادیں ہی باقی تھیں۔ گھروں سے گندے پانی کی نکاسی کے لیے نالیاں بہت بہتر طریقے سے بنی ہوئی تھیں۔ کنویں بھی دیکھے، پانی کو اسٹور کرنے کے لیے پکّی اینٹوں کی ٹنکیاں بنی ہوئی تھیں۔ اس جگہ اور دوسری خوب صورت جگہوں پر ہم نے تصاویر بھی کھینچی تھیں۔

موئن جو دڑو کی گلیوں میں داخل ہوتے ہی ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے یکایک زمانے کی رفتار نے پلٹا کھایا۔ وقت کا زاویہ پیچھے مڑا اور ہم پانچ ہزار سال قبل کے دور میں پہنچ گئے۔ ہم مسحور انداز سے محسوس کر رہے تھے جیسے ابھی وہ قدیم لوگ اپنے گھروں سے نکل کر ہمارا استقبال کریں گے۔

ایک منفرد بات یہ دیکھنے میں آئی جس سے ثابت ہوا کہ اُس زمانے میں اینٹیں خصوصاً پختہ اینٹیں بنانے کی صنعت بہت عروج پر تھی۔ اکثر پختہ مکانات اسی حقیقت کا منھ بولتا ثبوت ہیں۔ دوسری اہم بات یہ کہ ان کے مکانوں کی دیواروں کی موٹائی بہت زیادہ ملتی ہے یعنی کم از کم دو فیٹ۔ تمام گلیوں کے دروازے ایک مارکیٹ پر جا کر ختم ہوتے ہیں جو شہر کے وسط میں واقع ہے۔ مارکیٹ میں دُکانیں چبوتروں پر بنی ہوئی تھیں، مگر اب تو صرف آثار اور کھنڈرات ہی رہ گئے ہیں۔

وہاں کی گلیاں اتنی پُرپیچ اور بھول بھلیاں ہیں کہ اگر اکیلا آدمی چلا جائے تو کھو جائے۔ آگے بڑھیے تو کھنڈرات سے اُونچا ایک بُدھ عبادت خانہ نظر آتا ہے۔ میرے خیال میں موجودہ پگوڈا کی یہ قدیم ترین شکل ہے۔ آثار سے پتا چلتا ہے کہ موئن جو دڑو کے اکثر لوگوں کا مذہب بدھ مت تھا اور باقی لوگ جانور پرست بھی تھے خصوصاً بیل پرست۔ جس کی نشانیاں وہاں کثرت سے ملتی ہیں۔

اچھی طرح گھومنے پھرنے، دیکھنے، غور کرنے، مشاہدہ کرنے، سیر کرنے، معائنہ کرنے کے بعد ہم لوگ ائرپورٹ کی طرف جا نکلے جو کہ قریب ہی غیرملکی سیاحوں کی سہولت کے لیے بنایا گیا ہے، مگر راستے میں ہی ایک

متعلقہ شخص نے ہمیں یہ کہہ کر آگے جانے سے روک دیا کہ یہ ممنوعہ علاقہ ہے۔ اس لیے ہم مجبوراً واپس ہو گئے۔ وہاں سے ایک خشک نہر بھی جا رہی تھی۔ واپس ہوٹل میں پہنچ کر چائے پانی کا مزہ لیا۔

تقریباً گیارہ بجے میوزیم کی طرف رُخ کیا۔ کاؤنٹر سے ٹکٹ لیے اور اکثر لڑکوں نے موہن جو دڑو کے خوب صورت مناظر کے ویو کارڈ خریدے۔ میوزیم خوب صورت انداز میں تعمیر کیا گیا تھا۔ سیڑھیاں طے کرنے کے بعد اوپر پہنچے جہاں شو کیس لائن تھی۔ میوزیم کے بیچے ایک بڑی دیوار پر ایک قوی الجثہ کالے ہاتھی کی حجری تصویر بنی ہوئی تھی جو دیوار سے پیوست تھی۔ دوسری دیوار پر ایک بیل کی حجری تصویر تھی اور چند خوب صورت پینٹ کی ہوئی تصاویر تھیں جو موہن جو دڑو کی تہذیب و ثقافت کے نقوش اُجاگر کر رہی تھیں۔ نیچے ہی بڑے بڑے پہاڑی پتھروں کی چکیاں وغیرہ نمائش کے لیے رکھی گئی تھیں۔ اوپر کی منزل اس انداز سے بنائی گئی ہے کہ سورج کی روشنی براہِ راست قدیم نوادر پر نہ پڑے۔ خاص قسم کے سفید شیشے روشن دانوں میں لگے ہوئے تھے۔ جن سے سفید روشنی اندر آ رہی تھی۔ ویسے اندر کا ماحول سرمئی و سفید رنگ کا تھا۔

اندھیرے اور اُجالے کا امتزاج خوب صورت تھا۔ شو کیس لائن دیواروں سے ملحق تھی، جس میں آثارِ قدیمہ کی جتنی چیزیں مل سکتی تھیں رکھی ہوئی تھیں، جن میں چمچے سے لے کر کلہاڑی تک، چھوٹے سے بیل سے لے کر بڑے سے بُت تک، ہاتھی دانت، کانسی کی، مٹّی کی بے شمار چیزیں مثلاً ظروف میں مٹّی کے پیالے بجالی، ڈھکن، برتن، کونڈے، کاسے، مٹکے، پلیٹیں، ہانڈیاں، دیگچیاں، سِل بٹّے، دودھ دانی، چائے دانی، انگیٹھی، دیا، چراغ وغیرہ، زیورات میں ہار، کنگن، کنگھے کنگھیاں وغیرہ، ہتھیاروں میں پتھر کے گولے، چاقو، چھُریاں، کلہاڑیاں، نیزے، چقماق وغیرہ، دیگر سامان مثلاً پتھر کے باٹ، ترازو، کسوٹی، انسانی ڈھانچوں کی بچی کھُچی ہڈیاں، کچھوے، سُور، ہاتھی کے دانت، تانبے وغیرہ کا چھوٹا بڑا سامان، سیپ، کچّی پکّی اینٹیں، بیل گاڑیاں، جلا ہوا گیہوں، دیوی دیوتاؤں کے مجسمے، بے شمار بُت اور مورتیاں، رقص کرتی ہوئی لڑکی کا مجسمہ، ہنومان دیوتا کا بُت غرض ہر قسم کی چیزیں تھیں۔ کھیلوں کی اشیا میں بچّوں کے کھلونے، جانوروں کی شکل کے کھلونے، جھنجھنے، چھوٹی چھوٹی بیل گاڑیاں، پانسا، شطرنج، مچھلی کا کانٹا وغیرہ، بڑے بڑے مٹکے دِتّے وغیرہ تھے اصل شکل میں کیا ملتے بلکہ ان کے ٹکڑے جوڑ کر رکھے ہوئے تھے۔ آج کے دَور میں اگرچہ یہ تمام اشیا جدید ترین صورت میں بھی موجود ہیں، مگر ان کی وہ اہمیت ہرگز نہیں جو ان قدیم اشیا کی ہے، کیوں کہ اس دَور میں تو انسان نے بے پناہ ترقی کر لی ہے اس لیے اُن کی عام حیثیت کچھ بھی نہیں، مگر میوزیم کی ان چیزوں کی اہمیت اس لیے ہے کہ عقل چکرا جاتی ہے کہ اتنا قدیم انسان

کتنا ذہین تھا۔ پانچ ہزار سال بہت زیادہ ہوتے ہیں، حیرت ہوتی ہے کہ اُس دَور کے نیم وحشی انسان نے یہ حیرت انگیز چیزیں کس طرح بنالیں؟ سچ ہے ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔

میوزیم میں ایک الماری بھی رکھی ہوئی تھی جو کہ مقفّل تھی۔ غالباً اس میں قیمتی جواہرات و زیورات محفوظ ہوں گے جو کہ صرف خاص لوگوں کو دکھائے جاتے ہوں گے اور یہ عین ممکن ہے کہ یورپی و مغربی ماہرِ آثار قدیمہ قیمتی و نایاب نوادر اپنے ساتھ لے گئے ہوں، کیوں کہ کھدائی بھی انھوں نے کروائی تھی اور ان کو ایسی اشیا کی اہمیت کا احساس بھی بہت ہے۔ گو کہ یونیسکو اور دیگر ترقی یافتہ ممالک نے جو آثارِ قدیمہ میں دِل چسپی رکھتے ہیں اس کے تحفّظ کے لیے مالی امداد بھی دی ہے تاکہ مستقبل کی نسلیں موئن جو دڑو کی قدیم ترین تہذیب و ثقافت کا تجزیہ کر کے اندازہ لگاسکیں کہ ہزاروں سال قبل کے انسانوں نے کتنی ترقی کی تھی؟

حکومت نے موئن جو دڑو کے تحفّظ کے لیے بعض اقدامات بھی کیے ہیں۔ مثلاً کھنڈرات کی سیر کرنے کے لیے خاص خاص جگہوں پر پکّی اینٹوں کا راستہ بچھادیا ہے۔ کنوؤں کے گرد جالیاں لگادی ہیں۔ کئی قسم کے نوٹس بورڈ بھی لگے ہوئے ہیں جن میں تحریر ہے کہ جو کوئی موئن جو دڑو کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے گا اسے پانچ ہزار رُپے جرمانہ اور قید کی سزا دی جاسکتی ہے اور دوسرے کئی اقدامات کیے ہیں، مگر جہاں تک ہم نے دیکھا وہاں کے کھنڈرات سیم و تھور کے شکنجے میں کَستے جارہے ہیں۔

میوزیم کے بائیں طرف ایئر پورٹ ٹریک پر پاکستان ٹورزم ڈیولپ منٹ کارپوریشن لمیٹڈ کا سینٹر ہے۔ اس کے آگے پاکستان ہینڈی کرافٹس کی دُکان اور یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ کی شاخ ہے۔ اِنھی دُکانوں کے عقب میں سَر جان مارشل کی کھٹارہ موٹر کار رکھی ہے جس کا حلیہ بہت بگڑ چکا ہے، یہ جیپ نما موٹر کار بہت پرانے ماڈل کی ہے۔

قریب ہی کار پارکنگ اور گیٹ سے باہر چند ریڑھے والے کھڑے مختلف پھل مہنگے داموں پر فروخت کر رہے ہیں۔

یہ تمام چیزیں دیکھنے کے بعد ہم وہیں سے لاڑکانہ جانے والی بس میں بیٹھ گئے۔ ارادہ تھا کہ لاڑکانہ تھوڑا سا گھوم پھر کے پھر واپس جیکب آباد جائیں گے۔ موئن جو دڑو سے لاڑکانہ تقریباً ستائیس کلو میٹر دُور ہے۔ ہم میں اکثر لڑکے پہلی دفعہ لاڑکانہ جارہے تھے جن میں راقم الحروف بھی شامل تھا۔ ہم لاڑکانہ کے طرزِ تعمیر کی جدّت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ چلیے لگے ہاتھوں ذرا لاڑکانہ کی سیر بھی کرادیں مفت میں بیٹھے بٹھائے۔

لاڑکانہ جدید ترین شہر ہے۔ اس کی سڑکیں بہت کشادہ، صاف ستھری اور عمدہ بنی ہوئی ہیں۔ اکثر چوکوں پر طرح طرح کی یادگاریں شہر کا حُسن دوبالا کر

رہی ہیں۔
پری نیو یعنی دو طرفہ بہترین راستہ چانڈکا میڈیکل کالج، ہاسپٹل، اسٹیڈیم اور دیگر سرکاری و نیم سرکاری جدید ترین، عالی شان فلک بوس عمارتوں کو جاتا تھا جس کے گرد سایہ دار درختوں کی قطاریں چلی جا رہی تھیں۔ فٹ پاتھوں پر سبزہ اُگا ہوا تھا۔
ہم تھوڑی دیر پائلٹ سیکنڈری اسکول میں رُکے، پھر وہاں ذرا سستانے کے بعد ریلوے اسٹیشن گئے، جو بہت شان دار بنا ہوا ہے۔ پھر وہاں سے ٹرین میں بیٹھ کر ہنستے کھیلتے واپس اپنے گھروں کو پہنچے اور اس طرح ہمارا یہ یادگار سفر بہ خیر و خوبی اپنے اختتام کو پہنچا۔

قصّہ ٹیلے فون کا

شہزاد احمد خاں، کراچی

ٹرن ٹرن...... کی آواز کے ساتھ ہی ہم سارے فون کی طرف جھپٹے۔ "اے سیما کی بچی، فون میں اُٹھاؤں گا۔" فرّخ بولا۔ سیما نے تڑ سے جواب دیا، "ہاں فون اُٹھانے کے لیے تو تمھارے جیسی کرین کی ضرورت ہو گی۔" فرخ کے مُٹاپے کو سیما نے نشانہ بنایا تھا۔ فرخ، سیما کو مارنے کے لیے لپکا۔ سیما یہ کہتی ہوئی بھاگی، "بھیّا تم مجھے پکڑ نہیں سکتے۔ تم تو گیند کی طرح لڑھک سکتے ہو۔" ہم نے ان کی لڑائی سے فائدہ اُٹھانا چاہا اور فون کی طرف بڑھے ہی تھے کہ آصف نے فون اُٹھا لیا۔ دراصل قصّہ یہ تھا کہ برسوں بعد سارے گھر کی مُراد بَر آئی تھی، یعنی کہ ہمارا بڑا ارمان تھا۔ کاش ہمارے گھر بھی فون ہوتا اور ہم بھی اپنے دوستوں سے باتیں کر سکتے۔ یوں خدا نے ہماری یہ خواہش اسی جہاں میں پوری کر دی ورنہ لوگ تو فون کا ارمان لیے ہی اگلے جہاں سدھار جاتے ہیں۔
فون چوں کہ نیا نیا لگا تھا اس لیے ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ وہ فون ریسیو کرے۔
آج فون لگے دوسرا دن تھا کہ سارے محلے میں خبر پھیل گئی کہ شہزاد کے گھر فون لگ گیا ہے اور لوگ فون کی مبارک باد کے ساتھ ساتھ فون نمبر بھی وصول کرنے لگے۔ بی پڑوسن نے مبارک باد دینے کے بعد کہا، "اے ہے بہن، ذرا اپنا فون نمبر تو دینا میں اپنی بہن کو دوں گی، اچھا ہے کر لیا کرے گی۔" امّی نے کہا "کیوں نہیں بہن، تمھارا اپنا فون ہے۔" غرض اس طرح اپنے اپنے طریقے سے ہر شخص نے نمبر لے لیا۔ شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جس کے پاس ہمارا نمبر نہ ہو۔ اور یوں بھی محلے میں ہمارے علاوہ کسی کے گھر ٹیلے فون نہ تھا۔ فون لگنے کے چار پانچ دن بعد کی بات ہے کہ بی پڑوسن منھ بسورتی ہوئی ہمارے گھر آئیں اور بولیں، "اے شہزاد بیٹا! ذرا یہ نمبر تو ملا دے مجھے، بڑی ضروری بات کرنا ہے۔" ہم نے سوچا چلو کسی کے کام آنا تو ویسے بھی نیکی ہے ملا دیتے ہیں نمبر، لیکن جب نمبر ان کو ملا دیا تو وہ کچھ اس انداز سے گویا ہوئیں۔ پہلے تو ہلنا شروع ہو گئیں اور کہنے لگیں کہ

"بیٹا ہل تو رہی ہوں اور کیسے ہلوں" غالباً دوسری جانب سے ہیلو کہا گیا تھا۔ ہم نے کہا خالہ بغیر ہلے بات کیجیے۔ تب کہیں جا کر انھوں نے آرام سے بات کرنا شروع کی۔ سلیم بیٹا، ذرا آتے وقت بادام، پستہ، ناریل (اور نہ جانے کیا کیا الم غلم چیزوں کے نام انھوں نے گنوا دیے) لیتے آنا۔

بی پڑوسن کو ضروری بات کرتے ہوئے صرف "پانچ منٹ" ہوئے تھے کہ سامنے والوں کے ہاں سے ایک لڑکی بھاگتی ہوئی آئی اور بولی، "اللہ شہزاد بھائی ذرا ایک نمبر تو ملا دو ہمارے امتحان سر پر ہیں اپنی سہیلی سے نوٹس کے بارے میں پوچھنا ہے۔" بڑی بی کو فارغ کر دینے کے بعد ان صاحبہ نے فون کو "ہاتھوں ہاتھ" لیا اور جو شروع ہوئیں ہیں تو ہمیں محاورتاً نہیں بلکہ حقیقتاً دن میں تارے نظر آ گئے، نوٹس سے بات شروع ہوئی تو کپڑوں، سینڈلز، لپ اسٹک سے ہوتی ہوئی چاٹ، دہی بڑے اور چھولوں پر ختم ہوئی۔ ابھی ہم اپنی قسمت کو کوس رہے تھے کہ ان محترمہ کو خود ہی رحم آ گیا اور فون بند کر کے ہماری صورت (جس پر کہ بارہ بج رہے تھے) ایسے دیکھا جیسا کہ انھوں نے ہمارے اوپر بہت بڑا احسان کیا ہو۔ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے ہم اٹھنے ہی لگے تھے کہ چلو اب ذرا پڑھائی ہو جائے، لیکن قدرت کو تو کچھ اور ہی منظور تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی ہماری سماعت پر ہتھوڑے کی طرح برس پڑی۔ ہم نے التجا آمیز نظروں سے گھر والوں کی طرف دیکھا، لیکن شہد کی مکھیوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے پر کوئی راضی نہ تھا۔ مجبوراً ہم نے فون اٹھایا۔ اس امید کے ساتھ کہ شاید ہمارے کسی دوست کا ہو۔ ہماری یہ خوش فہمی اس وقت دور ہو گئی جب فون پر کسی محترمہ کی آواز آئی جو بڑے میٹھے لہجے میں بول رہی تھیں، "بڑی مہربانی ہو گی، پلیز ذرا دوسری گلی میں جو پانچواں مکان ہے وہاں سے شگفتہ کو بلا دیں۔" ہم نے لاکھ سر پٹکا کہ بھئی ہم کسی شگفتہ کو نہیں جانتے، لیکن شاید محترمہ گوند کھا کر آئی تھیں کہنے لگیں، "میرے بھائی کی حالت سخت خراب ہے۔ شگفتہ ان کی بیوی ہیں۔ ان کو ہر حال میں اطلاع پہنچانی ہے۔" ہمارے دل میں انسانی ہمدردی کا جذبہ جاگ اٹھا۔ ہم نے ان کو ہولڈ کرایا اور شگفتہ صاحبہ کی تلاش شروع کر دی۔ خدا خدا کر کے وہ ہمیں مل گئیں اور ساتھ ساتھ ان کے چار بچے بھی چلے آئے۔ اماں نے ادھر فون پر بات شروع کی اور ادھر بچوں نے میز پر رکھے ہوئے گل دان کا نشانہ لیا اور اس کو دنیاوی غموں سے آزاد کر دیا۔ ہم ابھی گل دان کا ماتم کر ہی رہے تھے کہ ایک بچہ ہمارا پسندیدہ رسالہ ہمدرد نونہال اٹھا لایا اور اس کا ایسا خوف ناک حشر کیا کہ ہمیں احساس ہو گیا واقعی فلسطین میں مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک ہوا ہو گا۔ اور وہ خاتون جن کے چہرے پر ہم گھبراہٹ کے آثار دیکھنا چاہتے تھے ہنس ہنس کر کہہ رہی تھیں۔ دیکھو روبی، اس وقت تک پکچر مت شروع کرنا جب تک میں نہ آ جاؤں۔ ابھی ہم ان کے جھوٹ اور سچ کا فیصلہ بھی

نہیں کر پائے تھے کہ عجیب و غریب آوازوں نے ہمیں چونکا دیا۔ ان کے بچّے ہماری کیسٹوں کا ریک اُٹھا لائے تھے اور ان کا حلیہ بگاڑ رہے تھے۔ اب تو ہم بے قابو ہو گئے، کیوں کہ ہماری برداشت کا پارا آخری نقطے پر پہنچ گیا اور ہمارے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور محترمہ شگفتہ صاحبہ جو بڑے انہماک سے باتوں میں مگن تھیں ان کے ہاتھ سے فون چھوٹ گیا۔ ہم بولے، "محترمہ خدا کا واسطہ اگر آپ کو ذرا بھی خوفِ خدا ہے تو ہماری حالت پر رحم کریں۔" محترمہ کو ایسا لگا جیسے بجلی نے کرنٹ مارا ہو۔ "توبہ، توبہ، ذرا سا فون کیا لگ گیا، دماغ ٹھکانے ہی نہیں ہے۔ اے تمھارا فون گھس تو نہیں گیا ایسا بھی کیا غرور، میرے بہنوئی بھی ٹیلے فون کے محکمے میں ہیں۔ ایک مہینے کے اندر اندر ٹیلے فون نہ لگوا لیا تو میرا بھی نام نہیں۔" ہزار صلواتیں سنانے کے بعد وہ روانہ ہوئیں۔ یوں ہمیں محسوس ہوا کہ ہماری کسی نیکی کے صلے میں خدا نے ہمیں ان خاتون کے ہاتھوں سے بچا لیا ورنہ وہ تو شاید کچّا ہی کھا جاتیں۔ ان کے جانے کے بعد ہماری بھابی ہماری طرف مسکراتی ہوئی بڑھیں اور بولیں، "تم کو بہت شوق تھا نا ٹیلے فون لگوانے کا اب اچھی طرح بھگتو۔" اب حالت یہ ہے کہ جب کسی کو فون کرنا ہو تو ہم حاضر، جب کسی کا فون آئے تو ہم حاضر۔ ہماری حسرت ہی رہ گئی کہ ہم بھی فون پر اپنے دوستوں سے خوب باتیں کریں۔ کالج سے آنے کے بعد بقیہ وقت تو "خدمتِ خلق" کرنے میں گزر جاتا ہے۔ جس کو بات نہ کراؤ وہ ہمارا جانی دشمن۔ لوگوں کی گفت گو جو وہ فون پر کرتے ہیں۔ آپ کو پتا چل ہی گئی۔ اب ہم تو چاہتے ہیں کہ فون ہی کٹوا دیا جائے، لیکن گھر والے راضی نہیں ہوتے۔ ہم اگر فون کی وجہ سے خرچ نہ ہو گئے (ویسے بھی ہم کافی دُبلے ہو گئے ہیں اور بہ قول ہمارے بھائی کے ہم کو دیکھنے کے لیے مائیکرو اسکوپ استعمال کرنی پڑتی ہے) تو آئندہ کوئی کہانی لکھیں گے۔ ورنہ خدا حافظ۔ لیجیے وہ بھیانک آواز آنا شروع ہو گئی ہے۔ دراصل ہمیں کہانی لکھنے کا وقت یوں مل گیا کہ فون خراب تھا۔ شاید ابھی ابھی ٹھیک ہوا ہے۔ ہم فون سننے جا رہے ہیں۔ آپ ہمارے لیے دُعا کیجیے گا۔ خدا حافظ۔

مجاہدِ وطن

مرسلہ: محمد اشفاق ناصر، غازی ہملٹ

وطن میرے سبب سے ضو فشاں ہے
میں بچّہ ہوں، مگر ہمت جواں ہے

ابھی ہے منزلِ مقصود کچھ دُور
ابھی رستے میں میرا کارواں ہے

اُڑان اپنی بلندی کی طرف ہے
یہی اپنی ترقی کا نشاں ہے

عبادت ہر مسلماں کی ہے پہچان
عبادت ہی مسلماں کا نشاں ہے

مجھے سب لوگ کہتے ہیں مجاہد
مری ہمّت کی منزل آسماں ہے

عِلم کی شمع

محمد مسلم زیب، جیکب آباد

اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ علم ایک دولت ہے۔ علم ایک ایسی چیز ہے جو ہمیں اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں علم انسان کی تیسری آنکھ ہے۔ لفظ علم عربی سے لیا گیا ہے جس کے معنی جاننا ہے۔ علم حاصل کرنے کے لیے وقت اور عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ علم کو ماں کی گود سے لے کر قبر تک حاصل کیا جاسکتا ہے۔ علم ایک ایسا خزانہ ہے جو ختم نہیں ہوتا جس کو جتنا زیادہ اپنایا جائے گا اتنا ہی بڑھے گا۔ علم حاصل کرنا ہر مرد و عورت پر فرض ہے۔ اور اگر علم حاصل کرنے کے لیے ہمیں چین بھی جانا پڑے تو گریز نہیں کرنا چاہیے۔

دنیاوی مال و دولت کو تباہی و بربادی کا ہر وقت اندیشہ ہوتا ہے۔ دنیاوی مال چوری ہو سکتا ہے اس کو آگ لگ سکتی ہے اس کے برعکس علم ایک ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا اور جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے۔ اس دولت میں بے پناہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ علم انسان کے لیے خداوند کریم کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے۔ جس نے اس سے منھ موڑا وہ بڑا بدبخت ہے۔

علم صرف اسکول کی کتابوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں دینی علم بھی حاصل کرنا چاہیے۔

"علم جنّت کے راستوں کا نشان ہے۔"

آج دنیا میں جو بھی ترقی یافتہ قومیں اور ترقی یافتہ ممالک ہم دیکھ رہے ہیں ان کی ترقی کا واحد سبب یہ ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو علم کے زیور سے آراستہ کیا۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم آپس میں مِل کر علم حاصل کرنے کا ذوق و شوق پیدا کریں اور صحیح طریقے سے علم حاصل کر کے اپنے ملک و قوم کی خدمت کریں۔

علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبّت یا رب

کھیر کی ہنڈیا

مرسلہ: سمیرا رابیعہ کرن، کراچی

امّی جی نے کھیر پکائی
وہ ہم سب نے مِل کر کھائی

میں نے اپنا حصّہ پایا
لیکن پھر بھی دِل للچایا
پاس پڑی تھی کھیر کی ہنڈیا
میں نے بڑھ کر اُسے اُٹھایا

اس میں تھا باجی کا حصّہ
جس کو میں نے مزے سے کھایا
باجی کا جب حصّہ کھایا
امّی جی کا تھپڑ کھایا

بچّو! یہ ہے میری نصیحت
چوری میں ہے کتنی اذیت

امتیاز علی تاج

سعید خالق، گڑھی اختیار خاں

سید امتیاز علی تاج ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے قبلہ گاہ کا نام شمس العلماء مولوی ممتاز علی اور والدہ کا نام محمدی بیگم تھا۔ مولوی ممتاز علی اپنے دَور کی ممتاز شخصیت تھے۔ انھوں نے دارالاشاعت کے نام سے لاہور میں ایک مکتبہ قائم کیا جس نے ادب کے فروغ میں اہم حصّہ لیا۔ انھوں نے بچّوں کا رسالہ "پھول" اور عورتوں کے لیے "تہذیبِ نسواں" جاری کیا۔ اس بیش بہا علمی و ادبی فضا میں سید امتیاز علی پروان چڑھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم کنیئرڈ گرلز اسکول میں پائی۔ گورنمنٹ سنٹرل ماڈل اسکول لاہور سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور گورنمنٹ کالج لاہور سے ڈگری لی۔ زمانۂ طالبِ علمی میں ایک رسالہ "کہکشاں" کے نام سے جاری کیا جو ادبی اعتبار سے اپنے زمانے کے معیاری رسائل میں شمار ہوا۔ گورنمنٹ کالج لاہور کی ڈرامہ سوسائٹی کے سرگرم رُکن رہے۔ ۲۲ سال کی عمر میں آپ نے اپنا شہرۂ آفاق ڈراما "انارکلی" لکھا جو اردو ڈرامے کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۳۲ سال کی عمر میں ان کی شادی ہوئی۔

۱۹۵۸ء میں مجلسِ ترقی ادب کے ڈائرکٹر بنے۔ ۱۹۶۱ء میں حکومت نے انھیں اعزاز "ستارۂ امتیاز" دیا۔

۱۹۶۵ء میں اردو ڈرامے کی ترقی کی خدمات کے صلے میں انھیں دس ہزار رُپے اور صدارتی اعزاز سے نوازا گیا۔ چچا چھکن ان کا کردار ہے جو شہرت اور مقبولیت میں اپنی مثال آپ ہے۔ تاج نے ساری زندگی ڈرامے کی ترویج و ترقی میں گزار دی۔ آخر میں وہ ڈرامے کی تاریخ مرتب کر رہے تھے کہ ۱۹/ اپریل ۱۹۷۰ء کی شب کسی بد اندیش نے ان پر قاتلانہ حملہ کر کے انھیں شدید زخمی کر دیا۔ جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے اور وہ اسی گھڑی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔

معمولی آدمی

شیر بہادر افغانی، کراچی

شمالی ویت نام کے آنجہانی صدر ہوچی منہ (۱۹۷۸ء) ایک جہاز کے قلی تھے۔ کرسٹوفر کولمبس جس نے امریکا دریافت کیا ایک جولاہے کا لڑکا تھا۔ ترکی کے بانی کمال اتاترک ایک معمولی کلرک کے بیٹے تھے۔ حکیم لقمان بچپن میں موم بتیاں بناتے تھے۔ ناصر الدین بادشاہ بچپن میں ٹوپیاں بیچا کرتے تھے۔ روس کا سابق ڈکٹیٹر اسٹالن ایک موچی کے گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ فرانس کا عظیم حکمراں نپولین ابتدا میں ایک معمولی سپاہی تھا۔ مشہور سائنس داں تھامس الوا ایڈیسن ایک معمولی اخبار فروش تھا۔ فرانس کی مشہور ملکہ جوزیفائن ایک معمولی تمباکو فروش کی بیٹی تھی۔ اٹلی کا سابق ڈکٹیٹر مسولینی ایک غریب لوہار کا بیٹا تھا۔ امریکا کے صدر آئزن ہاور پہلے ایک اخبار فروش تھے۔ امریکا ہی کے ایک اور صدر ابراہیم لنکن ایک غریب کسان

کے بیٹے تھے۔ برصغیر کے پہلے مسلمان بادشاہ قطب الدین ایبک شروع میں ایک غلام تھے۔ روس کی مشہور ملکہ کیتھرائن فوج میں ایک معمولی خادمہ تھی۔ جمہوریہ کانگو کے پہلے وزیر اعظم لومبا ابتدا میں ایک معمولی کلرک تھے۔ سقراط بچپن میں ایک سنگ تراش تھا۔ سابق سیاسی رہنما خروشیف ایک مزدور گھرانے میں پیدا ہوئے اور ابتدا میں مویشی چرائے اور معمولی لوہار کی حیثیت سے کام کیا۔ مشہور انگریز ادیب تھامس کارلائیل ایک بڑھئی اور کسان کے گھر پیدا ہوا تھا۔ مشہور انگریز سائنس داں مائیکل فیراڈے لندن کے مضافات میں ایک غریب لوہار کے گھر پیدا ہوا۔ مشہور امریکی مدبّر، مصنّف اور سائنس داں بنجمن فرینکلن بوسٹن میں غریب والدین کے گھر پیدا ہوا۔ مشہور سائنس داں جان کپلر بھی جرمنی کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔

۸۳ء میں نونہال کی مقبولیت

جمیل احمد خاں، کراچی

۱۹۸۳ء میں "نونہال" کی مقبولیت عروج پر گئی ہے۔ تمام مستقل سلسلوں میں نونہالوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سب سے پہلے سرورق کی بات ہو جائے۔ یوں تو نونہال کا سرورق ہوتا ہی منفرد ہے، لیکن ۱۹۸۳ء میں پسندیدگی کے لحاظ سے جون ۸۳ء اور جولائی ۱۹۸۳ء کا سرورق بہت زیادہ پسند کیا گیا۔ اب مستقل سلسلوں کی طرف آتے ہیں۔ جناب حکیم محمد سعید کا مقبول ترین کالم پورے بارہ مہینے پابندی سے شائع ہوتا رہا۔ ۱۲۹ "خیال کے پھول" شائع ہوئے جو کہ ننھے گل چینوں نے چُن کر بھیجے تھے۔ "طب کی روشنی میں" نونہال کا منفرد سلسلہ ہے۔ اس میں محترم حکیم محمد سعید نونہالوں کے سوالوں کے حکیمانہ جواب دیتے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں ۱۱۴ سوالات کے جوابات دیے گئے۔ "اخبارِ نونہال" ایک ایسا منفرد سلسلہ ہے جس سے ہمیں نت نئی معلومات اور خبریں حاصل ہوتی ہیں۔ ۸۳ء میں ۴۷ خبریں نونہالوں کی بھیجی ہوئی شائع ہوئیں۔ "ہمدرد انسائکلوپیڈیا" میں اس سال علی ناصر زیدی صاحب نے ۱۳۳ سوالوں کے جوابات دیے۔ "تحفے" اس سلسلے کو برکاتی صاحب نے جنوری ۸۲ء میں جاری کیا تھا۔ ۱۹۸۳ء میں بھی یہ مقبول ترین سلسلہ جاری رہا۔ اس سال ۱۸۹ نونہالوں کے بھیجے ہوئے تحفے قبول کیے گئے۔ "نونہال مصوّر" ایک ایسا سلسلہ ہے جس میں نونہال اپنی مصوّری کا شوق پورا کرتے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں ۹۳ نونہالوں کی بنائی ہوئی تصویریں شائع کی گئیں۔ "ہنسو بچو ہنسو" میں نونہالوں کے بھیجے ہوئے ۱۵۱ لطیفے شائع ہوئے۔ "بزمِ نونہال" اس بزم میں نونہال اپنے خطوط کے ذریعہ سے شریک ہوتے ہیں۔ ۸۲ء میں ۷۶۱ نونہالوں کے خطوط شائع ہوئے۔ ۲۲۳ نونہالوں کے خطوں کے جوابات مسعود احمد برکاتی صاحب نے دیے۔ ۱۱۲۵ نونہالوں کے جگہ کی کمی کے باعث صرف نام شائع ہو سکے۔ دسمبر ۸۲ء میں نونہالوں کو "اگر میں نونہال کا ایڈیٹر ہوتا" کے عنوان پر مضمون لکھنے کی دعوت دی گئی۔ پہلا انعام ڈھائی سو، دوسرا انعام دو سو، تیسرا انعام سو روپے

رکھا گیا۔ فروری ۸۳ء میں ۳ انعام یافتہ نونہالوں کے مضمون شائع ہوئے۔ فوزیہ لیاقت، سکھر کے مضمون کو پسند کیا اور کہا کہ آیندہ کسی مہینے اُن کا مضمون شائع کیا جائے گا، لیکن اب تک شاید باری نہ آسکی۔ ۲۲۷ نونہالوں کے اچھے مضمون لکھنے پر نام شائع کیے گئے۔ "معلومات عامہ" یہ ایک مقبولِ عام سلسلہ ہے۔ ۱۹۸۳ء میں اس سلسلے میں ۲۰۰ سوالات شائع ہوئے۔

نومبر ۸۲ء میں انعامی معلوماتِ عامہ کے بارہ سوالات شائع ہوئے تھے۔ تمام صحیح جوابات پر انعام دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ انعام پانے والوں کے نام اور تصویریں جنوری ۸۳ء میں شائع ہوئیں۔ ۹۵ انعام یافتہ نونہالوں کے نام شائع ہوئے۔ ۳۵ انعام یافتہ نونہالوں کی تصویریں شائع ہوئیں۔ ۲۱۱ نونہالوں نے گیارہ صحیح جوابات روانہ کیے۔ اس پر اُن کے نام شائع ہوئے۔ ۶۰ نونہالوں کے گیارہ صحیح جوابات پر اُن کی تصویریں شائع کی گئیں۔ ۵۷ نونہالوں نے دس صحیح جوابات بھیجے اِس پر اُن کے نام شائع ہوئے۔ ۱۰۲ نونہالوں نے صرف ۹ سوالات کے صحیح جوابات بھیجے اُن کے نام شائع ہوئے۔

اس کے علاوہ ۱۹۸۲ء میں دس صحیح جوابات بھیجنے والے نونہال جن کے نام شائع ہوئے ان کی تعداد ۲۴۵ رہی۔ ۳۰۴ نونہالوں کی دس صحیح جوابات بھیجنے پر تصویریں شائع کی گئیں۔ ۲۹۴ نونہالوں نے نو صحیح جوابات بھیجے اس پر اُن کے نام شائع کیے گئے۔

۱۹۸۳ء کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ نونہالوں کے بھرپور اصرار کے باعث "مجلس ادارت" نے ستمبر ۸۳ء میں نونہال کا خاص نمبر نکالا۔ اس خاص نمبر میں ہر وہ چیز شائع کی گئی جو نونہالوں کی دل چسپی کا باعث ہو، مثلاً جناب حکیم محمد سعید کی بچپن کی شرارتیں، ایک مکمل ناول جو جناب میرزا ادیب نے بہ طورِ خاص نونہال کے لیے لکھا تھا شائع کیا گیا۔ "صحت کے ننانوے نکتے"، "باکمال لوگ" اور ان کے علاوہ بہت کچھ۔ خاص نمبر کے معلومات عامہ میں تیس سوالات شائع ہوئے۔ تمام جوابات صحیح بھیجنے والے نونہالوں کو دو ہزار رُپے انعام دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ۲۵ صحیح جوابات یا اِس سے زیادہ جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ایک انعامی کتاب دینے کا وعدہ کیا گیا۔ کم از کم ۲۰ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصویریں شائع کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ کم از کم پندرہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام شائع کرنے کا وعدہ کیا گیا۔

صحیح جوابات نومبر ۸۳ء کے شمارے میں شائع ہوئے۔ چند نونہالوں نے تیس صحیح جوابات بھیجے، اس لیے اُن میں تقسیم کردیے گئے۔ ۸۹ نونہالوں نے کم از کم ۲۵ صحیح جوابات بھیجے۔ اُن کو محترم حکیم محمد سعید صاحب کی کتاب قاعدۂ صحت عطا کی گئی۔ کم سے کم بیس جوابات بھیجنے والوں کی تصویریں شائع کرنے کا وعدہ کیا گیا، لیکن ۲۱۲ نونہالوں نے اپنے جوابات کے ساتھ تصویریں نہیں بھیجیں۔ اُن کے صرف نام شائع کیے گئے۔ ۱۰۰ نونہالوں کی ۲۰ صحیح جوابات پر تصویریں شائع کی گئیں۔ ۲۵۱ نونہالوں کے پندرہ صحیح جوابات پر صرف نام شائع ہوئے۔

تلوار اور قلم

ترجمہ: خواجہ عبدالحمید یزدانی

پُرانے زمانے کے بادشاہوں کے زمانے میں ایک امیر اور ایک دبیر (منشی) کے درمیان بیٹھنے کی جگہ پر تنازعہ ہوگیا۔ امیر کہنے لگا، "میں نیچے نہیں بیٹھوں گا، اس لیے کہ بادشاہ کو تم سے زیادہ میری ضرورت ہے، اور سلطنت تلوار سے لی جاتی ہے، قلم سے نہیں۔"

دبیر بولا، "ہمیں چار چیزوں میں تم پر فضیلت حاصل ہے۔"

کسی مخبر نے یہ تمام ماجرا بادشاہ کو جا سُنایا۔ بادشاہ نے دونوں کو اپنے پاس طلب کیا اور دبیر سے کہا، "اہلِ شمشیر کو اہلِ قلم پر برتری حاصل ہے، کیوں کہ اہلِ قلم، اہلِ سیف کے خدمت گزار ہوتے ہیں، لیکن تُو جو اس کے برعکس اہلِ قلم کو ان پر ترجیح دیتا ہے تو تیرے نزدیک وہ کون سی خوبیاں ہیں جو اس ترجیح اور برتری کا سبب ہیں؟"

دبیر نے جواب دیا، "بادشاہ سلامت کی دولت و سلطنت تا ابد قائم رہے۔ تلوار دشمنوں کے لیے ہوتی ہے، دوستوں کے لیے نہیں، مگر قلم نہ صرف دوستوں کے نفع کے لیے استعمال ہوتا ہے بلکہ دشمن کو دُور رکھنے کے کام بھی آتا ہے اور پھر یہ بھی تو ہے کہ بہت سے لڑنے والوں نے اپنے آقاؤں کے خلاف بغاوت کی اور معمولی سی حکومت ملنے پر انھوں نے نافرمانی اور سرکشی اختیار کی ہے، لیکن آج تک کسی صاحبِ قلم سے ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صاحبِ قلم تو وفادار ہیں، لیکن اہلِ شمشیر وفا سے خالی ہیں۔ اس کے علاوہ اہلِ قلم بادشاہوں کی آمدنی کا خزانہ بھرتے ہیں اور صاحبانِ شمشیر خرچ کرنے والے ہوتے ہیں اور جب تک خزانہ بھرا نہ ہو خرچ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا جو چیز آمدنی کا باعث ہے وہ ہر حال میں اس شے سے زیادہ عزیز ہوگی جس پر کہ خرچ ہوتا ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ اہلِ شمشیر لڑنا تو جانتے ہیں، لیکن وہ دانش مند نہیں ہوتے اور دشمنوں کے قہر اور ظالموں کی زیادتی کو دانش مندی ہی سے دُور رکھا جا سکتا ہے۔ محض قوت و شوکت سے نہیں۔"

بادشاہ کو اس کی یہ باتیں بہت پسند آئیں۔ اسے خلعت عطا کی اور دبیر کو خوش کر کے واپس بھیج دیا۔

(ماخوذ از دربارِ ملّی)

معلوماتِ عامّہ ۲۱۱ کے صحیح جوابات

معلوماتِ عامہ کے سلسلے میں نونہال بہت دل چسپی لے رہے ہیں اور اس کے جوابات ہمیں بڑی تعداد میں وصول ہوتے ہیں۔ معلوماتِ عامہ ہے بھی بہت کام کی چیز۔ معلومات ہو تو بہت سے کام آسان ہو جاتے ہیں۔ نونہالوں کو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے معلومات حاصل کریں۔ یہ کالم آپ کی مدد کرتا ہے۔ آپ کا نام چھپے یا نہ چھپے آپ کی معلومات تو بڑھ جاتی ہے۔

کوشش کیجیے کہ جوابات صرف ایک صفحے پر لکھیں، دوسرا صفحہ نہ لگائیں اور اپنا نام اور مکمل پتا اس کاغذ کے سب سے اوپر صاف صاف لکھیے۔ اس کے بعد سوالات کے جواب لکھیے۔ جوابات پندرہ تاریخ تک ڈاک میں ڈال دیجیے۔ شکریہ

(۱) ہجرت سے پہلے مدینہ منوّرہ کا نام یثرِب تھا۔

(۲) "بیت العتیق" خانۂ کعبہ کو کہتے ہیں۔

(۳) سید انشاءاللہ خاں انشا کی تصنیف "رانی کیتکی کی کہانی" میں عربی، فارسی زبان کا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا، اس اعتبار سے یہ تصنیف خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔

(۴) شہزادہ سلیم بادشاہ ہونے کے بعد نور الدین محمد جہانگیر کے نام سے مشہور ہوا۔

(۵) جنگِ پلاسی ۱۷۵۷ء میں ہوئی۔

(۶) پتّوں میں ایک مادّہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے پتوں کا رنگ سبز نظر آتا ہے، اس مادّے کو کلوروفِل کہتے ہیں۔

(۷) گھوڑوں کی عالمی شہرت یافتہ دوڑ "ڈربی" جو انگلستان میں کھیلی جاتی ہے، ڈیڑھ میل لمبی ہوتی ہے۔

(۸) کرکٹ پچ (PITCH) کی لمبائی ۲۲ گز ہوتی ہے۔

(۹) اکبر الٰہ آبادی کا اصل نام سیّد اکبر حسین تھا۔

(۱۰) اُردن کے دارالحکومت کا نام عمّان ہے۔

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

منیر حسین

سید ثمر عباس زیدی

عبدالغفار انصاری

مونا قمر

عمران فیروز خلجی

رخسانہ قمر

عمار مصطفیٰ

جہناز فاطمہ

سید علی عباس

زاہدہ پرویز

بلقیس کنول

اورنگ زیب علی پاشا

آفتاب احمد خان

سید محمد مہدی نقوی

سید شاہد رضا

عتیق الرحمٰن ملک

عاصمہ حفیظ علوی

محمد فیصل لطیف

نوید شبیر

فرقان سید عابدی

خالد مجید مغل

نوازش علی

حبیب انور عباسی

مہوش شکیل

فرزانہ انور عباسی

ملک شہباز احمد

سمانہ منکانی

کلیم انور عباسی

سلیم انور عباسی

اعظم انور عباسی

کامران اختر صدیقی

روزینہ سلیمان

سید ندیم شوکت

شازیہ شوکت

عارفہ نعیم

موہنی شکیل

ثمرہ نعیم

سیدہ زہرا

شہلا سعید

محمد معاویہ چوہان

ندیم الحق

عدیل رضا

جمال قادر

محمد اسلم پرویز

حامد سلیم باسط

مجاہد خاں

شادماں نفیس

محمد ذیشان خاں

سید رفعت علی

طارق احمد لاشاری

گوہر ولی قریشی

راولپنڈی

مبشر سلیم

آصف شیخ

نگہت رسول

حسن اختر

حیدر آباد

محمد رئیس اعظم خاں جنید

مسعود احمد

خالد احمد خاں

ریحانہ تہذیب رضوی

ندیم افتخار رضوی

ایوب خاں شہزاد

عروج فاطمہ

اسما معین

تحصیل گوجر خاں

راجا مظہر اقبال

کامران نذیر

سکھر

محمد اسلام بھٹی

محمد عرفان نعیم

محمد سلیم بھٹی

عامر خاں

شاہد احمد خاں

محمد قمر انصاری

محمد مسعود نعیم

شفاء الحسن انصاری

محمد سعید خان

نگہت بانو

رفعت بانو

لاڑکانہ

عدنان جہانگیر شیخ

سلیم احمد سلیمی

ایاز جانی میمن

ٹنڈو محمد خاں

انعام الحق

عمر دراز خاں خٹک

سید ساجد علی زیدی
رحمٰن اللہ خان بہرام
خیر اللہ خان
سلطان محمود
دین محمد
احمد نواز نیازی
عمران احمد شیخ

سانگھڑ

سید اظہار علی
سیف الرحمٰن کلسی
عاجز عبدالرحمٰن رند
محمد امین سیف الملوک
محمد ایاز کلسی
وفا غلام نبی شیخ

ریاض الدین منصوری

ڈگری

اعجاز احمد زخمی
ایم افضل زخمی
محمد اسحاق انجم

ملتان

محمد محسن انصاری

غلام مرتضیٰ غوری
محمد ساجد خاں، کراچی
سید محمد عامر خورشید رضوی، سرگودھا
مخمور احمد بوبی، سیال کوٹ
سید شجاعت علی، لاہور
محمد سلیم خیر الدین، اسلام آباد
فخر الدین، فیصل آباد

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

محمد طو انصاری، ساہیو | عبدالرحمٰن ٹنڈو محمد خان | محمد اشفاق ارم، حیدر آباد | شہلا حبیب، کراچی | جواد نسیم، کراچی

عبدالقادر، کراچی | سید نسیم شوکت، کراچی | سید تنویر شوکت، کراچی | عرفان احمد، فیصل آباد | عمران اختر صدیقی، کراچی

محمد وسیم صدیقی، پرانا سکھر | فاروق عالم قادری، کراچی | سید عاطف اعجاز، کراچی | راشد خان، سکھر | مشرف علی، کراچی

سید شاہد رضا رضوی، حیدرآ | محمد حنیف صدیقی، کراچی | عباس رضا، حیدرآباد | حنا ناز، کراچی | اظہر جاوید جعفری، ملتان

خورشید انور، کراچی | شاہدہ خاتون، کراچی | راشد حبیب رانا، ملتان | ریاض احمد لاکھانی، کراچی | حسن انور جعفری، حیدرآباد

فرمان اللہ خان، ٹنڈو محمد خان | لطیف حیدر خانخیلی، سانگھڑ | محمد کامران احمد، کراچی | سید فقراج علی، سانگھڑ | عامر فاروقی، کراچی

محمد شاہد بھٹی، کراچی | سید انوار حسین چشتی، کراچی | اسرار غوری، سکھر | محمد جاوید صدیقی، سکھر | محمد ندیم، کراچی

سید شہزاد اعجاز، کراچی | ضیا اختر عباس، کراچی | ضرغام ملک، کراچی | زاہد حسین انجم، ڈگری | سہیل حسن، کراچی

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

محمد صبوحی خاں	سید ذاکر حسین شاہ	مامون نصیر	سید ظہور حسین شاہ
محمد شاہد اقبال صدیقی	شہباز راجا	محمد کامران	تنویر احمد
	لیاقت علی	محمد فرحان	دلدار علی شاہ

اعجاز بٹ
اشہر سعید عالم
محمد ظفر ایوب
محمد ذیشان ایوب
شگفتہ اسلام
محمد انجم
نجم السحر حق
شیریں صدف ابرار
کوثر تسنیم حق
مہر النسا امی
اکبر نواز شاد
اطہر اقبال
محمد اکرم
سید فرید احمد سیفی
نور صمد خاں
محمودہ محمد عمر
عمران قاسم
محی الدین خاں محی
راجا خاور خلیل
احمد افضال
فرحانہ نذر
سیدہ شاہین تبسم
عبداللطیف
امجد ریاض

سید امتیاز حسین
سید افتخار حسین
صائمہ نرگس
سید ارشد حسین
اصغر اعجاز
علی رضا
ماہ رخ
ریحان جمیل
سید کمال اظہر علی کرمانی
شیریں عثمانی
گوہر فاطمہ
جیوترام جے بجاج
چمن زیب
عمران احمد نعمانی
منظر علی
سید علی رضا
تنظیم فاطمہ
محمد عامر سلام
شاہد جمال صدیقی
محمد المتین
محمد خاں نیازی
کنیز فاطمہ عابد
سید اکرام الدین
سید جلال اظہر علی کرمانی

نسیمہ محمد قاسم
سہیل محبوب
صائمہ ناز
عامر انصاری
شبیر احمد افغانی
سید نہال اظہر علی کرمانی
محمد انتصار الدین احمد
ناہید سیما عبدالغفار
سمیع اللہ شیخ
محمد رفیق
شازیہ رفعت
محمد اظہر ایوب
محمد اشرف ایوب
محمد سہیل ایوب
فہمیدہ صفاتون
عمران منشاء اللہ
ریاض احمد خاں
سلطان کریم چترالی

نواب شاہ

سید عامر علی
سبینہ مظہر علی
ثنا صدف
سید ریحان علی
سید رحمان علی

سید عمران علی
سید اسد علی
سید اظہر علی
محسن رجب علی
یاسین رجب علی
محمد اقبال خانزادہ
سیما ارباب رضوی
مصطفےٰ رضوی

راول پنڈی

راجا ظفر محمود ظفری
راجا ظہیر محمود راہی
راجا مظہر اقبال سندھی
راجا جاوید اقبال جیدی
سید خورشید احمد
ظہور احمد
آفتاب احمد
نثار احمد
سید مظفر حسین
مارکس فلپس
محمد عارف قریشی

ٹنڈو آدم

مرزا قیصر بیگ
مسعود الرحمٰن
عظمیٰ کوثر

سید ذیشان اقبال
ریحانہ زیدی

حیدر آباد

رضوانہ خان بھٹی
محمد سلمان شیخ اے صمد
کھتری حامد علی
سیدہ عنبرین فاطمہ

سکھر

محمد عمران ہارون

سید اصغر عباس
اظہر حسین
اسرار حسین
محمد آصف اقبال
محمد انور اقبال

مٹھا ٹوانہ

غلام حسین قاسمی
خالد مسعود
ارشد محمود ندیم

محمد حنیف

فیصل آباد

علی عمران جان
انجم ناز بھٹی

جیکب آباد

ہدایت علی سید
آصف علی سید

مختلف شہروں سے

شبیر احمد شیرانی، میرپور خاص
رزاق احمد، سیال کوٹ
سید طلحٰہ احسن، بہاول پور
راحیلہ اقبال نمازی، میانوالی
محمد ارسلان قریشی، خیرپور میرس
ایم ابراہیم خلیل، لاڑکانہ
جمشید نثار، ضلع مردان
نور خان بزنجو، پسنی مکران

قائد کے الفاظ

★ اس سے بہتر اور کوئی ذریعۂ نجات نہیں ہو سکتا کہ صداقت کی خاطر شہید ہو جائیں۔
★ مہذب قومیں کبھی انسانیت اور اخلاق کے لبادے کو تار تار کر کے حیوانیت میں تبدیل نہیں ہوا کرتیں۔
★ میں آپ کو مصروفِ عمل ہونے کی تاکید کرتا ہوں۔ کام، کام اور صرف کام۔
★ علم تلوار سے بھی زیادہ طاقت ور ہے۔ اس لیے علم کو اپنے ملک میں بڑھائیں۔ کوئی آپ کو شکست نہیں دے سکتا۔
★ ایک دوسرے پر اعتماد ہی ایک دوسرے سے تعاون بڑھاتا ہے۔
★ ملّتِ اسلامیہ ایک جسمِ واحد ہے اور مسلمان خواہ کہیں ہوں اس کے اعضا و جوارح ہیں۔
★ کفایت شعاری قومی خدمت ہے۔
★ جمہوریت کے لیے مُساوات اور اُخوّت کی ضرورت ہے۔
★ جمہوریت کا مطلب یہ ہے کہ اکثریت قانون بناتی ہے اور اسے نافذ کرتی ہے۔
★ چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے ہم سب مملکت کے خادم ہیں۔

مرسلہ: سیف الدین کامران، کراچی

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

ہمدرد نونہال
جنوری ۱۹۸۴
رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳